(ٹائٹل پیج طبع بارثانی)

الحمدللہ والمنّت کہ رسالہ طیبہ مبارکہ

المسمّاة بہ

شہادۃ القرآن

علٰی

نزول المسیح الموعود فی آخر الزّمان

مطبع پنجاب پریس سیالکوٹ میں

باہتمام

منشی غلام قادر صاحب

فصیح کے چھپا

شہادۃ القرآن طبع بار ثانی مطبوعہ مطبع بشیر ہند امرتسر
میں اس صفحہ پر کتاب براہین احمدیہ کے متعلقہ اشتہار درج ہے جو
برکات الدعاء کے آخر میں صفحہ ۳۸ - ۴۰ پر اسی جلد میں مندرج ہے۔
شمس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

مسیح موعود

ایک صاحب عطا محمد نام اپنے خط مطبوعہ اگست ۱۸۹۳ء میں مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا ہم کو انتظار کرنا واجب لازم ہے۔

اِس جگہ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہو کہ صاحب معترض کا یہ مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت فوت ہو گئے ہیں جیساکہ قرآن شریف میں بتصریح موجود ہے لیکن وُہ اِس بات سے منکر ہیں کہ عیسیٰ کے نام پر کوئی اِس اُمت میں آنیوالا ہے وُہ مانتے ہیں کہ احادیث میں یہ پیشگوئی موجود ہے مگر احادیث کے بیان کو وُہ پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث زمانہ دراز کے بعد جمع کی گئی ہیں اور اکثر مجموعہ احاد ہے مفید یقین نہیں ہیں اِس لئے وہ مسیح موعود کی خبر کو جو احادیث کے رُو سے ثابت ہے حقیقت مثبتہ خیال نہیں کرتے۔ اور ایسے اخبار کو جو محض حدیث کی رُو سے بیان کئے جائیں ہیچ اور لغو خیال کرتے ہیں جنکا ان کی نظر میں کوئی بھی قابل قدر ثبوت نہیں اِس لئے اِس مقام میں اُن کے مذاق پر جواب دینا ضروری ہے۔

سو واضح ہو کہ اِس مسئلہ میں دراصل تنقیح طلب تین[۳] امر ہیں۔

اوّل یہ کہ مسیح موعود کے آنے کی خبر جو حدیثوں میں پائی جاتی ہو کیا یہ اِس وجہ سے ناقابل اعتبار ہو کہ حدیثوں کا بیان مرتبہ یقین سے دُور و مہجور ہے۔

دوسرے یہ کہ کیا قرآن کریم میں اِس پیشگوئی کے بارے میں کچھ ذکر ہے یا نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ پیشگوئی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے تو اِس بات کا کیا ثبوت کہ اُسکا مصداق یہی عاجز ہے

سو اوّل ہم ان ہر سہ تنقیحوں میں سے پہلی تنقیح کو بیان کرتے ہیں سو واضح ہو کہ اس امر سے دُنیا میں کسی کو بھی انکار نہیں کہ احادیث میں **مسیح موعود** کی کُھلی کُھلی پیشگوئی موجود ہے بلکہ قریباً تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث کی رُو سے ضرور ایک شخص آنیوالا ہے جسکا نام عیسیٰ بن مریم ہوگا اور یہ پیشگوئی بخاری اور مسلم اور ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے جو ایک منصف مزاج کی تسلّی کے لئے کافی ہے اور بالضرورت اس قدر مشترک پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ایک مسیح موعود آنیوالا ہے اگرچہ یہ سچ ہے کہ اکثر ہر یک حدیث اپنی ذات میں مرتبہ احاد سے زیادہ نہیں مگر اسمیں کچھ بھی کلام نہیں کہ جس قدر طرق متفرقہ کی رُو سے احادیث نبویہ اس بارے میں مُدوّن ہو چکی ہیں اُن سب کو یکجائی نظر کے ساتھ دیکھنے سے بلاشبہ اِس قدر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ضرور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مسیح موعود کے آنیکی خبر دی ہے اور پھر جب ہم ان احادیث کے ساتھ جو اہلسنت و جماعت کے ہاتھ میں ہیں ان احادیث کو بھی ملاتے ہیں جو دُوسرے فرقے اسلام کے مثلاً شیعہ وغیرہ انپر بھروسہ رکھتے ہیں تو اور بھی اس تواتر کی قوت اور طاقت ثابت ہوتی ہے اور پھر اسکے ساتھ جب صد ہا کتابیں متصوفین کی دیکھی جاتی ہیں تو وہ بھی اسی کی شہادت دے رہی ہیں۔ پھر بعد اسکے جب ہم بیرونی طور پر اہل کتاب یعنی نصاریٰ کی کتابیں دیکھتے ہیں تو یہ خبر اُن سے بھی ملتی ہے اور ساتھ ہی حضرت مسیح ؑ کے اِس فیصلہ سے جو ایلیا کے آسمان سے نازل ہونیکے بارہ میں ہے یہ بھی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس قسم کی خبریں کبھی حقیقت پر محمول نہیں ہوتیں لیکن یہ خبر مسیح موعود کے آنے کی اسقدر زور کے ساتھ ہر ایک زمانہ میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہیں ہوگی کہ اِسکے تواتر سے انکار کیا جائے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر اسلام کی وہ کتابیں جنکی رُو سے یہ خبر سلسلہ وار شائع ہوتی چلی آئی ہے صدی وار مرتب کر کے اکٹھی کیجائیں تو ایسی کتابیں ہزارہا سے کچھ کم نہیں ہونگی۔ ہاں یہ بات اُس شخص کو سمجھانا مشکل ہے کہ جو اسلامی کتابوں سے بالکل بیخبر ہے اور درحقیقت ایسے اعتراض کرنیوالے اپنی بدقسمتی کیوجہ سے کچھ ایسے بیخبر ہوتے ہیں کہ انھیں یہ بصیرت حاصل ہی نہیں ہوتی کہ فلاں واقعہ کسقدر قوت اور مضبوطی کے ساتھ اپنا ثبوت رکھتا ہے پس ایسا ہی صاحب معترض نے کسی سے سُن لیا ہے کہ احادیث اکثر احاد کے مرتبہ پر ہیں اور اِس سے

بلا توقف یہ نتیجہ پیدا کیا کہ بجز قرآن کریم کے اور جسقدر مسلمات اسلام ہیں وہ سب کے سب بے بنیاد اور مشکوک
ہیں جنکو یقین اور قطعیت میں سے کچھ حصہ نہیں لیکن درحقیقت یہ ایک بڑا بھاری دھوکہ ہے جس کا پہلا اثر
دین اور ایمان کا تباہ ہونا ہے کیونکہ اگر یہی بات سچ ہے کہ اہل اسلام کے پاس بجز قرآن کریم کے جس قدر
اور منقولات ہیں وہ تمام ذخیرہ کذب اور جھوٹ اور افترا اور ظنون اور اوہام کا ہے تو پھر شاید اسلام میں
سے کچھ تھوڑا ہی حصہ باقی رہ جائیگا وجہ یہ کہ ہمیں اپنے دین کی تمام تفصیلات احادیث نبویہ کے ذریعہ سے
ملی ہیں۔ مثلاً یہ نماز جو پنجوقت ہم پڑھتے ہیں گو قرآن مجید سے اسکی فرضیت ثابت ہوتی ہے مگر یہ کہاں ثابت
ہوتا ہے کہ صبح کی ۲ دو رکعت فرض اور ۲ دو رکعت سنّت ۔ اور پھر ظہر کی چار رکعت فرض اور چار اور دو سنّت
اور مغرب کی تین رکعت فرض اور پھر عشا کی چار۔ ایسا ہی زکوٰۃ کی تفاصیل معلوم کرنیکے لئے ہم بالکل احادیث
کے محتاج ہیں۔ اسی طرح ہزارہا جزئیات ہیں جو عبادات اور معاملات اور عقود وغیرہ کے متعلق ہیں اور
ایسی مشہور ہیں کہ انکا لکھنا صرف وقت ضائع کرنا اور رسالہ کو طول دینا ہے۔ علاوہ اسکے اسلامی تاریخ کا مبدء
اور منبع یہی احادیث ہی ہیں اگر احادیث کے بیان پر بھروسہ نہ کیا جائے تو پھر ہمیں اس بات کو بھی
یقینی طور پر نہیں ماننا چاہیئے کہ درحقیقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت
علی رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اصحاب تھے جنکو بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی
ترتیب سے خلافت ملی اور اسی ترتیب سے انکی موت بھی ہوئی کیونکہ اگر احادیث کے بیان پر اعتبار نہ کیا جائے تو
کوئی وجہ نہیں کہ ان بزرگوں کے وجود کو یقینی کہہ سکیں اور اس صورت میں ممکن ہوگا کہ تمام نام فرضی ہی ہوں اور
دراصل نہ کوئی ابوبکر گذرا ہو نہ عمر نہ عثمان نہ علی کیونکہ بقول میاں عبد الحکیم صاحب معترض یہ سب احادیث احاد ہیں اور قرآن شریف میں
ان ناموں کا کہیں ذکر نہیں پھر بموجب اس اصول کے کیونکر تسلیم کیجائیں۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام آمنہ اور دادا کا نام عبد المطلب ہونا اور پھر آنحضرت صلعم کی
بیویوں میں سے ایک کا نام خدیجہ اور ایک کا نام عائشہ اور ایک کا نام حفصہ رضی اللہ عنہن ہونا
اور دایہ کا نام حلیمہ ہونا اور غار حرا میں جاکر آنحضرتؐ کا عبادت کرنا اور بعض صحابہ کا حبشہ کی
طرف ہجرت کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا اور پھر وہ تمام

لڑائیاں ہونا جسکا قرآن کریم میں نام ونشان نہیں اور صرف احادیث سے یہ تمام امور ثابت ہوتے ہیں تو
کیا ان تمام واقعات سے اس بنا پر انکار کردیا جاوے کہ احادیث کچھ چیز نہیں اگر یہ سچ ہی تو پھر مسلمانوں کے
لئے ممکن نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک سوانح میں سے کچھ بھی بیان کرسکیں۔ دیکھنا چاہیئے
کہ ہمارے مولیٰ وآقا کی سوانح کا وہ سلسلہ کہ کیونکر قبل از بعثت مکہ میں زندگی بسر کی اور پھر کس سال دعوت
نبوت کی اور کس ترتیب سے لوگ داخل اسلام ہوئے اور کفار نے مکہ کے دس سال میں کس کس قسم کی تکلیفیں پہنچائیں
اور پھر کیونکر اور کس وجہ سے لڑائیاں شروع ہوئیں اور کس قدر لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بنفس نفیس حاضر ہوئے اور آنجناب کے زمانہ زندگی تک کن کن ممالک تک حکومت اسلام پھیل چکی تھی
اور شاہان وقت کیطرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے خط لکھے تھے یا نہیں اور اگر لکھے
تھے تو انکا کیا نتیجہ ہوا تھا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے وقت
کیا کیا فتوحات اسلام ہوئیں اور کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور حضرت فاروق کے زمانہ میں کن کن ممالک
تک فتوحات اسلام ہوئیں۔ یہ تمام امور صرف احادیث اور اقوال صحابہ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں
پھر اگر احادیث کچھ بھی چیز نہیں تو پھر اس زمانہ کے حالات دریافت کرنا نہ صرف ایک امر مشکل بلکہ محالات
میں سے ہوگا اور اس صورت میں واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت
مخالفین کو ہر یک افترا کی گنجائش ہوگی اور ہم دشمنوں کو بیجا حملہ کرنیکا بہت سا موقعہ دینگے اور ہمیں ماننا
پڑیگا کہ جو کچھ ان احادیث کے ذریعہ سے واقعات اور سوانح دریافت ہوتے ہیں وہ سب ہیچ اور کالعدم ہیں
یہانتک کہ صحابہ کے نام بھی یقینی طور پر ثابت نہیں۔ غرض ایسا خیال کرنا کہ احادیث کے ذریعہ سے کوئی
یقینی اور قطعی صداقت ہمیں مل ہی نہیں سکتی گویا اسلام کا بہت سا حصہ اپنے ہاتھ سے نابود کرنا ہے بلکہ
اصل اور صحیح امر یہ ہے کہ جو کچھ احادیث کے ذریعہ سے بیان ہوا ہی جبتک صحیح اور صاف لفظوں میں
قرآن اُسکا معارض نہ ہو تب تک اُسکو قبول کرنا لازم ہی کیونکہ یہ بات مسلّم ہی کہ طبعی امر انسان کیلئے
راستگوئی ہی اور انسان جھوٹ کو محض کسی مجبوری کی وجہ سے اختیار کرتا ہی کیونکہ وہ اُسکے لئے ایک
غیر طبعی ہی۔ پھر ایسی احادیث جو تعامل اعتقادی یا عملی میں آکر اسلام کے مختلف گروہوں کا ایک شعار

ٹھہر گئی تھیں انکی قطعیت اور تواتر کی نسبت کلام کرنا تو درحقیقت جنون اور دیوانگی کا ایک شعبہ ہی مثلاً
آج اگر کوئی شخص یہ بحث کرے کہ یہ پنج نمازیں جو مسلمان پنجوقت ادا کرتے ہیں انکی رکعات کی تعداد ایک شکّی
امر ہے کیونکہ مثلاً قرآن کریم کی کسی آیت میں یہ مذکور نہیں کہ تم صبح کی دو۲ رکعت پڑھا کرو اور پھر جمعہ کی دو۲ اور
عیدین کی بھی دو۲ دو۲۔ رہی احادیث تو وہ اکثر احاد ہیں جو مفید یقین نہیں تو کیا ایسی بحث کرنیوالا حق پر ہوگا۔
اگر احادیث کی نسبت ایسی ہی رائیں قبول کیجائیں تو سب سے پہلے نماز ہی ہاتھ سے جاتی ہی کیونکہ قرآن نے تو نماز
پڑھنے کا کوئی نقشہ کھینچکر نہیں دکھلایا صرف یہ نمازیں احادیث کی صحت کے بھروسہ پر پڑھی جاتی ہیں۔
اب اگر مخالف یہی اعتراض کرے کہ قرآن نے نماز کا طریق نہیں سکھلایا اور جس طریق کو مسلمانوں نے
اختیار کر رکھا ہی وہ مردود ہی کیونکہ احادیث قابل اعتبار نہیں تو ہم ایسے اصول پر آپ ہی پابند ہونے
سے کہ بیشک احادیث کچھ بھی چیز نہیں اس اعتراض کا کیا جواب دے سکتے ہیں بجز اسکے کہ اعتراض کو
قبول کرلیں بلکہ اس صورت میں اسلام کی نماز جنازہ بھی بالکل بیہودہ ہوگی کیونکہ قرآن میں اس بات کا
کہیں ذکر نہیں کہ کوئی ایسی نماز بھی ہی کہ جس میں سجدہ اور رکوع نہیں۔ اب سوچکر دیکھ لو کہ احادیث
کے چھوڑنے سے اسلام کا کیا باقی رہ جاتا ہے *

اور خود یہ بات قلت تدبر کا نتیجہ ہی کہ ایسا خیال کرلیا جائے کہ احادیث کا ماحصل صرف اسقدر ہے
کہ محض ایک یا دو آدمی کے بیان کو معتبر سمجھ کے اُسکی روایت کو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیال کر
لیا جائے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ احادیث کا سلسلہ تعامل کے سلسلہ کی ایک فرع اور اطراد بعد الوقوع
کے طور پر ہی مثلاً محدثین نے دیکھا کہ کروڑہا آدمی مغرب کے فرض کی تین رکعت پڑھتے ہیں اور فجر کی دو۲
اور معہذالک ہر ایک رکعت میں سورہ فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں اور آمین بھی کہتے ہیں گو بالجہر یا بالسر اور قعدہ
اخیرہ میں التحیات پڑھتے ہیں اور ساتھ اسکے درود اور کئی دعائیں ملاتے ہیں اور دونوں طرف سلام دیکر نماز
سے باہر ہوتے ہیں۔ سو اس طرز عبادت کو دیکھ کر محدثین کو یہ ذوق اور شوق پیدا ہوا کہ تحقیق کے طور پر
اس وضع نماز کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیں اور احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے اسکو ثابت
کریں۔ اب اگرچہ یہ بات سچ ہی کہ انھوں نے ایسے سلسلہ کی بہم رسانی کیلئے یہ کوشش نہیں کی کہ ایک ایک

حدیث کے مضمون کیلئے ہزار ہزار یا دو دو ہزار طرق اسناد بہم پہنچاویں مگر کیا یہ بھی سچ ہے کہ اس نماز کی بنیاد ڈالنے والے وہی محدّث تھے اور پہلے اُس سے دنیا میں نماز نہیں ہوتی تھی اور دُنیا نماز سے بالکل بیخبر تھی اور کئی صدیوں کے بعد صرف ایک دو حدیثوں پر اعتبار کرنے سے نماز شروع کیگئی۔ پس میں زور سے کہتا ہوں کہ یہ ایک بڑا دھوکا ہوگا اگر یہ خیال کر لیا جائیگا کہ صرف مدارِ ثبوت اُن رکعات اور کیفیت نماز خوانی کا اُن چند حدیثوں پر تھا جو بنظرِ ظاہر احاد سے زیادہ معلوم نہیں ہوتیں اگر یہی سچ ہے تو سب سے پہلے فرائض اسلام کیلئے ایک سخت اور لاعلاج ماتم در پیش ہے جسکی فکر ایک مسلمان کہلانیوالے ذی غیرت کو سب سے مقدم ہے مگر یاد رہے کہ ایسا خیال فقط اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے کبھی بیدار ہو کر سوانح اور واقعات اور رسوم اور عباداتِ اسلام کیطرف نظر نہیں کی کہ کیونکر اور کس طریق سے یقینی امور کا اُنکو مرتبہ حاصل ہوا۔

سو واضح ہو کہ اس یقین کے بہم پہنچانے کیلئے تعامل قومی کا سلسلہ نہایت تسلّی بخش نمونہ ہے مثلاً وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اسقدر رکعت اور نماز مغرب کی اسقدر رکعات ہیں اگر فرض کرو کہ ایسی حدیثیں دو یا تین ہیں اور بہرحال احاد سے زیادہ نہیں مگر کیا اس تحقیق اور تفتیش سے پہلے لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے اور حدیثوں کی تحقیق اور راویوں کا پتہ ملنے کے بعد پھر نمازیں شروع کرائی گئیں تھیں بلکہ کروڑہا انسان اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور اگر فرض کے طور پر حدیثوں کے اسنادی سلسلہ کا وجود بھی نہ ہوتا تاہم اس سلسلہ تعامل سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت تھا کہ نماز کے بارے میں اسلام کی مسلسل تعلیم وقتاً بعد وقتٍ اور قرناً بعد قرنٍ یہی چلی آئی ہے۔ ہاں احادیث کی اسناد مرفوعہ متصلہ نے اس سلسلہ کو نورٌ علیٰ نور کر دیا۔ پس اگر اس قاعدہ سے احادیث کو دیکھا جائے تو اُنکے اکثر حصّہ کو جس کا معین اور مددگار سلسلہ تعامل ہے احاد کے نام سے یاد کرنا بڑی غلطی ہوگی اور درحقیقت یہی ایک بھاری غلطی ہے جس نے اس زمانہ کے نیچریوں کو صداقت اسلام سے بہت ہی دُور ڈالدیا۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا اسلام کی وہ تمام سنن اور رسوم اور عبادات اور سوانح اور تواریخ جنپر حدیثوں کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ صرف چند حدیثوں کی بنا پر ہی قائم ہیں حالانکہ یہ اُنکی فاش غلطی ہے بلکہ جس تعامل کے سلسلہ کو ہمارے نبی صلعم نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا تھا وہ ایسا کروڑہا انسانوں میں پھیل گیا تھا کہ اگر محدثین کا دُنیا میں نام و نشان بھی

نہ ہوتا تب بھی اُسکو کچھ نقصان نہ تھا۔ یہ بات ہر ایک کو ماننی پڑتی ہی کہ اس مقدس معلم اور مقدس
رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی باتوں کو ایسا محدود نہیں رکھا تھا کہ صرف دو چار آدمیوں کو سکھلائی جائیں
اور باقی سب اُس سے بیخبر ہوں اگر ایسا ہوتا تو پھر اسلام ایسا بگڑتا کہ کسی مُحدّث وغیرہ کے ہاتھ سے ہرگز
درست نہیں ہوسکتا تھا۔ اگرچہ ائمہ حدیث نے دینی تعلیم کی نسبت ہزارہا حدیثیں لکھیں مگر سوال تو یہ ہے کہ
وہ کونسی حدیث ہی کہ جو اُنکے لکھنے سے پہلے اُسپر عمل نہ تھا اور دُنیا اس مضمون سے غافل تھی اگر کوئی ایسی تعلیم اور ایسا
واقعہ یا ایسا عقیدہ ہے جو اُسکی بنیادی اینٹ صرف ائمہ حدیث نے ہی کسی روایت کی بناء پر رکھی ہے اور تعامل
کے سلسلہ میں جسکے کروڑہا افراد انسانی قائل ہوں اُسکا کوئی اثر و نشان دکھائی نہیں دیتا اور نہ قرآن کریم میں اُس کا
کچھ ذکر پایا جاتا ہی تو بلاشبہ ایسی خبر واحد کا جسکا پتہ بھی سو ڈیڑھ سو برس کے بعد لگا یقین کے درجہ سے بہت ہی نیچے گری
ہوئی ہوگی اور جو کچھ اُسکی ناقابل تسلی ہونیکی نسبت کہو وہ بجا ہی لیکن ایسی حدیثیں درحقیقت دین اور سوانح
اسلام سے کچھ بڑا تعلق نہیں رکھتیں بلکہ اگر سوچکر دیکھو تو آئمہ حدیث نے ایسی حدیثوں کا بہت ہی کم ذکر
کیا ہی جنکا تعامل کے سلسلہ میں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا پس جیسا کہ بعض جاہل خیال کرتے ہیں کہ
یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہی کہ دُنیا نے دین کے صدہا ضروری مسائل یہانتک کہ صوم و صلوٰۃ بھی صرف امام بخاری
اور مُسلم وغیرہ کی احادیث سے سیکھے ہیں۔ کیا سو ڈیڑھ سو برس تک لوگ بے دین ہی چلے آتے تھے کیا وہ لوگ
نماز نہیں پڑھتے تھے زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ حج نہیں کرتے تھے اور ان تمام اسلامی عقائد کے امور سے جو
حدیثوں میں لکھے ہیں بیخبر تھے حاشا وکلا ہرگز نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرے اسکا حمق ایک تعجب انگیز
نادانی ہی۔ پھر جبکہ بخاری اور مسلم وغیرہ آئمہ حدیث کے زمانہ سے پہلے بھی اسلام ایسا ہی سرسبز تھا جیسا کہ
ان اماموں کی تالیفات کے بعد تو پھر یہ خیال کسقدر بے تمیزی اور ناسمجھی ہی کہ سراسر تحکم کی راہ سے یہ اعتقاد
کر لیا جائے کہ صرف دُوسری صدی کی روائیتوں کے سہارے سے اسلام کا وہ حصہ پھولا پھلا ہی جسکو
حال کے زمانہ میں احادیث کہتے ہیں اور افسوس تو یہ کہ مخالف تو مخالف ہمارے مذہب کے بیخبر لوگوں کو
بھی یہی دھوکا لگ گیا ہی کہ وہ سمجھتے ہیں کہ گویا ایک مدت کے بعد صرف حدیثی روایات کے مطابق بہت سے
مسائل اسلام کے ایسے لوگوں کو تسلیم کرائے گئے ہیں کہ جو اُن حدیثوں کے قلمبند ہونے سے پہلے اُن مسائل سے

بکلی غافل تھے بلکہ حق بات جو ایک بدیہی امر کی طرح ہی یہی ہی کہ آئمہ حدیث کا اگر لوگوں پر کچھ احسان ہے تو صرف اسقدر کہ وُہ امور جو ابتدا سے تعامل کے سلسلہ میں ایک دُنیا اُنکو مانتی تھی اُنکی اسناد کے بارے میں اُن لوگوں نے تحقیق اور تفتیش کی اور یہ دکھلا دیا کہ اُس زمانہ کی موجود حالت میں جو کچھ اہل اسلام تسلیم کر رہے ہیں یا عمل میں لا رہے ہیں یہ ایسے امور نہیں جو بطور بدعات اسلام میں اب مخلوط ہو گئے ہیں بلکہ یہ وُہی گفتار و کردار ہے جو آنحضرت صلعم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائی تھی۔

افسوس کہ اس صحیح اور واقعی امر کے سمجھنے میں غلط فہمی کر کے کوتہ اندیش لوگوں نے کسقدر بڑی غلطی کھائی جسکی وجہ سے آجتک وہ حدیثوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اگرچہ یہ تو سچ ہے کہ حدیثوں کا وُہ حصہ جو تعامل قولی و فعلی کے سلسلہ سے باہر رہا اور قرآن سے تصدیق یافتہ نہیں یقین کامل کے مرتبہ پر مسلم نہیں ہو سکتا لیکن وہ دُوسرا حصہ جو تعامل کے سلسلہ میں آ گیا اور کروڑہا مخلوقات ابتداء سے اُسپر اپنے عملی طریق سے محافظ اور قائم چلی آئی ہے اُسکو ظنی اور شکی کیونکر کہا جائے۔ ایک دُنیا کا مسلسل تعامل جو بیٹوں سے باپوں تک اور باپوں سے دادوں تک اور دادوں سے پڑدادوں تک بدیہی طور پر مشہور ہو گیا اور اپنے اصل مبداء تک اُسکے آثار اور انوار نظر آ گئے اسمیں تو ایک ذرہ شک کی گنجائش نہیں رہ سکتی اور بغیر اسکے انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا کہ ایسے مسلسل عملدر آمد کو اوّل درجہ کے یقینیات میں سے یقین کرے پھر جبکہ آئمہ حدیث نے اِس سلسلہ تعامل کے ساتھ ایک اور سلسلہ قائم کیا اور امور تعاملی کا اسناد راستگو اور متدین راویوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا تو پھر بھی اُس پر جرح کرنا درحقیقت اُن لوگوں کا کام ہے جنکو بصیرت ایمانی اور عقل انسانی کا کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔

اب اِس تمہید کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ مسیح موعود کے بارے میں جو احادیث میں پیشگوئی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ جسکو صرف ائمہ حدیث نے چند روایتوں کی بناء پر لکھا ہو و بس بلکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ پیشگوئی عقیدہ کے طور پر ابتداء سے مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں داخل چلی آتی ہے گویا جس قدر اُسوقت روئے زمین پر مسلمان تھے اُسی قدر اس پیشگوئی کی صحت پر شہادتیں موجود تھیں کیونکہ عقیدہ کے طور پر وُہ اسکو ابتدا سے یاد کرتے چلے آتے تھے اور ائمہ حدیث امام بخاری وغیرہ نے اس پیشگوئی کی نسبت

اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہو تو صرف یہی کہ جب اُس کو کروڑہا مسلمانوں میں مشہور اور زبان زد پایا تو اپنے قاعدہ کے موافق مسلمانوں کے اس قولی تعامل کے لئے روایتی سند کو تلاش کر کے پیدا کیا اور روایات صحیحہ مرفوعہ سے جنکا ایک ذخیرہ اُنکی کتابوں میں پایا جاتا ہے اسناد کو دکھایا۔ علاوہ اسکے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر نعوذ باللہ یہ افترا ہی تو اس افترا کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی اور کیوں اُنہوں نے اسپر اتفاق کر لیا اور کس مجبوری نے انکو افترا پر آمادہ کیا تھا۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دُوسری طرف ایسی حدیثیں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں جنمیں یہ پیشگوئی کیگئی ہے کہ آخری زمانہ میں علماء اِس اُمت کے یہودی صفت ہو جائینگے اور دیانت اور خدا ترسی اور اندرونی پاکیزگی اُن سے دُور ہو جائیگی اور اُس زمانہ میں صلیبی مذہب کا بہت غلبہ ہوگا اور صلیبی مذہب کی حکومت اور سلطنت تقریباً تمام دنیا میں پھیل جائیگی تو اور بھی ان احادیث کی صحت پر دلائل قاطعہ پیدا ہوتے ہیں کیونکہ کچھ شک نہیں کہ اس زمانہ میں یہ پیشگوئی پوری ہوگئی اور ہمارے اِس زمانہ کے علماء درحقیقت یہودیوں سے مشابہ ہو گئے اور نصاریٰ کی سلطنت اور حکومت ایسی دُنیا میں پھیل گئی کہ پہلے زمانوں میں اسکی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اِس حالت میں ایک جُز اُس پیشگوئی کا صریح اور صاف اور بدیہی طور پر پُورا ہو گیا تو پھر دُوسری خبر کی صداقت میں کیا کلام رہا۔ یہ بات تو ہر ایک عاقل کے نزدیک مسلّم ہے کہ اگر مثلاً ایک حدیث احاد میں سے ہو اور سلسلہ تعامل بھی داخل نہ ہو مگر ایک پیشگوئی پر مشتمل ہو کہ وہ اپنے وقت پر پُوری ہو جائے یا اُس کا ایک جُزو پُورا ہو جائے تو اس حدیث کی صحت میں کوئی شک باقی نہیں رہیگا۔ مثلاً نار حجاز کی حدیث جو صحیحین میں درج ہی کچھ شک نہیں کہ احاد میں سے ہے لیکن وہ پیشگوئی قریباً چھ سو برس گذرنے کے بعد بعینہٖ پُوری ہوگئی جسکے پُورا ہونے کے بارے میں انگریزوں کو بھی اقرار ہے اور اُس زمانہ میں پُوری ہوئی کہ جب صدہا سالی ان کتابوں کی تالیف اور شائع ہونے پر بھی گذر چکے تھے تو کیا ان حدیثوں کی نسبت اب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ وُہ احاد ہیں کہ وہ یقینی طور پر قبول کے لائق نہیں۔ کیونکہ جب اُن کی صداقت کُھل گئی تو پھر ایسا خیال دل میں لانا نہایت بُری اور مکروہ نادانی ہے۔ پس ایسا ہی مسیح موعود کی پیشگوئی میں سوچ لو کہ

اس میں بھی یہ الفاظ کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً موجود تھے کہ وہ مسیح موعود ایسے وقت میں آئیگا کہ جب حکومت اور قوت نصاریٰ کی تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہوگی اور ریل جاری ہوگی۔ اور اکثر زمین کے حصے زیر کاشت آجائینگے اور کاشتکاری کی طرف لوگ بہت متوجہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ بیل مہنگے ہو جائیں گے۔ اور زمین پر نہروں کی کثرت ہو جائے گی اور دنیوی حالت کی رُو سے امن کا زمانہ ہوگا۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی ہمارے زمانہ میں پوری ہوگئی کیونکہ عیسائی سلطنت کا ستارہ اس زمانہ میں ایسے عروج پر پہنچ گیا ہے کہ گویا اسکے سامنے تمام حکومتیں اور ریاستیں کالعدم ہیں اور ریل کی سواری اور نہریں اور کثرت کاشتکاری بھی ہمنے آنکھ سے دیکھ لی اب سوچو کہ کیا اس پیشگوئی میں وہ غیب کی باتیں نہیں جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہیں کیا اسلام کی یہ حالتِ تنزّل اُس زمانہ میں جبکہ اسلام کی شمشیر بجلی کی طرح کفار پر پڑ رہی تھی کسی کو معلوم تھی؟ کیا کوئی نوع انسان میں سے ایسے غیب پر قادر ہو سکتا ہے کہ ایسی نئی سواری کی خبر دے جس کا پہلے وجود ثابت نہیں ہوتا۔ نظر اُٹھاؤ اور دیکھو اور خوب سوچو کہ کیا یہ پیشگوئی ان عظیم الشان پیشگوئیوں میں سے نہیں ہے جو انکی حقیقت اور انکے ظہور پر صرف خدا تعالیٰ کا علم ہی محیط ہوتا ہے اور انسان کی کارستانیاں اور مخلوق کے ضعیف منصوبے اسپر منتج نہیں ہو سکتے۔ واضح رہے کہ ان پیشگوئیوں کا ایک عجیب سلسلہ ہے اور ایک نہایت درجہ کی ترتیب ابلغ اور ترکیب محکم سے معارف لطیفہ اور نکات دقیقہ اور امور غیبیہ کے ساتھ مرصع کرکے ذکر فرمایا گیا ہے جسکی بلند شان تک ہرگز انسان کی رسائی نہیں مثلاً اوّل وہ پیشگوئیاں بیان فرمائیں جو اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا اور انہیں پیشگوئیوں کے ضمن میں فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہوگا اور پھر بعد اسکے کسریٰ نہیں ہوگا۔ اور قیصر ہلاک ہوگا اور پھر بعد اسکے قیصر نہیں ہوگا اور اسلام ترقی کریگا اور پھیلے گا اور ہر ایک قوم میں داخل ہوگا۔ اور پھر فرمایا کہ اِس اُمت پر ایک آخری زمانہ آئیگا کہ اکثر علماء اِس اُمت کے یہود کے مشابہ ہو جائیں گے اور دیانت اور تقویٰ ان میں سے جاتی رہیگی جھوٹے فتوے اور مکاریاں اور منصوبے انکا دین ہوگا اور دنیوی لالچوں میں گرفتار ہو جائینگے اور یہود کے ساتھ

شدت سے مشابہت پیدا کر لینگے یہانتک کہ اگر کسی یہودی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے تو وہ بھی کرینگے۔
اور ایسا ہی اُس زمانہ میں قوم نصاریٰ دُنیا میں پھیل جائے گی اور دُوسری قوموں کو مغلوب کر لیگی اور
دین کی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو جائے گی اور زہرناک ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے دین اسلام
ایک مسلسل اور غیر منقطع خطرات میں پڑ جائیگا۔ تب مصیبتیں پڑینگی اور آفتیں زیادہ ہونگی اور مسلمانوں کے
دلوں سے تقویٰ جاتی رہیگی اور بہتر ہوگا کہ ایک شخص اکیلا بسر کرے اور بکریوں کے دُودھ پر قناعت
رکھے اور مسلمانوں کی جماعت کا نام نہ لیوے۔ اور فرمایا کہ جب تُو ایسا حال دیکھے تو ان سب فرقوں کو
چھوڑ دے اور کسی درخت کی جڑھوں کو دانت مار یہانتک کہ تیری جان نکل جائے۔ اور پھر اسی ضمن
میں مسیح موعود کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کہ اسکے ہاتھ سے عیسائی دین کا خاتمہ ہوگا اور فرمایا کہ وُہ
اُن کی صلیب کو توڑے گا۔ اور یہ نہ فرمایا کہ وُہ اُنکی حکومت کو پامال کرے گا۔ یہ اس بات کی طرف
اشارہ تھا کہ مسیح موعود کی سلطنت روحانی ہوگی اور اس دُنیا کی حکومتوں سے اس کو کچھ بھی
سروکار نہ ہوگا بلکہ وُہ اپنی برکات کے زور سے لڑیگا اور اپنے خوارق کے ہتھیاروں سے میدان
میں آئیگا یہانتک کہ صلیب کی رونق اور عظمت کو توڑ دے گا اور عیسائیت کے بے برکت اور منحوس
عقیدوں کا پردہ کھول دیگا کیونکہ اس کا نُور ایک تلوار کی طرح چمکے گا اور جس طرح بجلی گرتی ہے اُسی طرح
کُفر کی ظلمت پر گریگا یہانتک کہ حق کے طالب سمجھ جائینگے کہ وُہ زندہ خدا اسلام کے ساتھ ہے۔
یہ تمام پیشگوئیاں احادیث میں ایک دریا کی طرح بہ رہی ہیں اور ایکدوسری سے اُنکا ایسا تعلق ہے کہ
ایک کی تکذیب سے دُوسری کی تکذیب لازم آتی ہے اور ایک کے ماننے سے دُوسری بھی ماننی پڑتی
ہے۔ پھر ایسی مسلسل اور مرتب اور محکم اور بانظام پیشگوئیوں میں کون شک کرسکتا ہے بجز اسکے کہ
پاگلوں سے زیادہ مخبط الحواس ہو۔ کیا کوئی دانا ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ تجویز کرسکتا ہے کہ یہ ہزارہا
پیشگوئیاں جو خارق عادت امور پر مشتمل ہیں صرف انسان کا افترا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ مرتب اور
بانظام اور عظیم الشان باتوں کا انکار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اُنکے انکار سے ایک انقلاب عظیم
لازم آتا ہے اور ایک دُنیا کو بدلانا پڑتا ہے۔

ماسوا اسکے ان پیشگوئیوں میں انکی صداقت کے لئے ایک عظیم الشان نشان یہ ہو کہ دنیوی انقلابات کے متعلق جو کچھ ان میں درج تھا اور بظاہر وہ سب ناشدنی باتیں تھیں وہ تمام باتیں پوری ہوگئی ہیں کیونکہ تیرھویں صدی کی ابتدا ہی سے ہر ایک اندرونی اور بیرونی آفت میں ترقی ہونے لگی۔ یہانتک کہ تیرھویں صدی کے خاتمہ تک گویا دین اور اسلامی شوکت اور حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور وہ بلائیں مسلمانوں کے دین اور دنیا پر نازل ہوئیں کہ گویا انکا جہان ہی بدل گیا۔ جب ہم ان بلاؤں کو اپنی نظر کے سامنے رکھ کر پھر ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالتے ہیں جو امام بخاری اور مسلم وغیرہ نے اس وقت سے قریبًا گیارہ سو برس پہلے لکھی تھیں۔ اور اس زمانہ میں لکھی تھیں کہ جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اسکی اندرونی حالت گویا حُسن میں رشکِ یوسف تھی اور اسکی بیرونی حالت اپنی شوکت سے اسکندر رومی کو شرمندہ کرتی تھی تو اپنے نبی کریم کی کامل اور پاک وحی اور عظمت اور جلال اور قوّت قدسیہ کو یاد کرکے ہماری رِقّت ایمانی جوش میں آتی ہو اور بلا اختیار رونا آتا ہو سُبحان اللّٰہ وہ کیا نُور تھا جسپر آج سے تیرہ سو برس پہلے قبل از وقت ظاہر کیا گیا کہ اسکی اُمت ابتدا میں کیونکر نشو ونما کریگی اور کیونکر خارق عادت طور پر اپنی ترقی دکھلائیگی اور کیونکر آخری زمانہ میں یکدفعہ نیچے گریگی اور پھر کیونکر چند صدیوں میں قوم نصاریٰ کا تمام روئے زمین پر غلبہ ہو جائیگا اور یاد رہے کہ اسی زمانہ کی نسبت مسیح موعود کے ضمن بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی جو صحیح مسلم میں درج ہو اور فرمایا وَلَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا یعنے مسیح موعود کے زمانہ میں اُونٹنی کی سواری موقوف ہو جائیگی پس کوئی انپر سوار ہو کر انکو نہیں دوڑائیگا اور یہ ریل کیطرف اشارہ تھا کہ اُسکے نکلنے سے اُونٹوں کے دوڑانے کی حاجت نہیں رہیگی اور اونٹ کو اسلئے ذکر کیا کہ عرب کی سواریوں میں سے بڑی سواری اونٹ ہی ہی جسپر وہ اپنے مختصر گھر کا تمام اسباب رکھ کر پھر سوار بھی ہو سکتے ہیں اور بڑے کے ذکر میں چھوٹا خود ضمنًا آجاتا ہی۔ پس حاصل مطلب یہ تھا کہ اس زمانہ میں ایسی سواری نکلے گی کہ اونٹ پر بھی غالب آجائیگی جیسا کہ دیکھتے ہو کہ ریل کے نکلنے سے قریبًا وہ تمام کام جو اُونٹ کرتے تھے اب ریلیں کر رہی ہیں۔

پس اس سے زیادہ تر صاف اور منکشف اور کیا پیشگوئی ہوگی چنانچہ اس زمانہ کی قرآن شریف نے بھی خبر دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[1] یعنے آخری زمانہ وہ ہے کہ جب اونٹنی بیکار ہو جائیگی یہ بھی صریح ریل کیطرف اشارہ ہے اور وہ حدیث اور یہ آیت ایک ہی خبر دے رہی ہیں اور چونکہ حدیث میں صریح مسیح موعود کے بارے میں یہ بیان ہے اس سے یقیناً یہ استدلال کرنا چاہیئے کہ یہ آیت بھی مسیح موعود کے زمانہ کا حال بتلا رہی ہے اور اجمالاً مسیح موعود کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پھر لوگ باوجود ان آیات بیّنات کے جو آفتاب کیطرح چمک رہی ہیں ان پیشگوئیوں کی نسبت شک کرتے ہیں اب منصفین خود سوچ لیں کہ ایسی پیشگوئیوں کی نسبت جنکی غیبی باتیں پوری ہوتی آنکھ سے دیکھی گئیں شک کرنا اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

اِس قدر جو مَیں نے احادیث کی رُو سے مسیح موعود کی پیشگوئی کے بارے میں لکھا ہے مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وُہ ایسے شخص کی تسلّی یاب ہونے کے لئے کافی ہیں جو صداقت کو پاکر پھر ناحق کی مخالفت کرنا نہیں چاہتا۔ اور مَیں نے اِس جگہ اصل الفاظ احادیث کو نقل نہیں کیا اور نہ تمام احادیث کے خلاصہ کو لکھا ہے کیونکہ یہ حدیثیں ایسی مشہور اور زبان زد خلائق ہیں کہ دیہات کے چھوٹے چھوٹے طالب علم بھی اِنکو جانتے ہیں اور اگر مَیں تمام احادیث کو جو اِس باب میں آئی ہیں اِس مختصر رسالہ میں لکھتا۔ تو شائد میں دس جزو تک بھی لکھ کر فارغ نہ ہوسکتا۔ لیکن یہ مَیں ناظرین کو توجہ دلاتا ہوں کہ ضرور وہ صحاح ستہ کی اصل کتابیں یا انکے تراجم کو غور سے دیکھیں تا انہیں معلوم ہو کہ کس کثرت سے اور کس قوت بیان کے ساتھ اِس قسم کی احادیث موجود ہیں۔

دُوسرا امر تنقیح طلب یہ تھا کہ قرآن کریم میں **مسیح موعود** کی نسبت کچھ ذکر ہے یا نہیں اسکا فیصلہ دلائل قطعیہ نے اِس طرح پر دیا ہے کہ ضرور یہ ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی ان آئندہ پیشگوئیوں پر غور کریگا جو اِس امت کے آخری زمانہ کی نسبت اس مقدس کتاب میں ہیں۔ تو اگر وہ فہیم اور زندہ دل اپنے سینہ میں رکھتا ہے تو اسکو اِس بات کے ماننے سے چارہ نہیں ہوگا کہ قرآن کریم میں یقینی اور قطعی طور پر ایک ایسے مصلح کی خبر موجود ہے جس کا دُوسرے

[1] التکویر: ۵

لفظوں میں مسیح موعود ہی نام ہونا چاہیئے۔ اور کچھ۔ اس خبر کو سمجھنے کے لئے پہلے مندرجہ ذیل آیات کو یکجائی نظر سے دیکھ لینا چاہیئے مثلاً یہ آیات وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ - اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ - وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ[1] - حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ[2] وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ[3]

یعنے خدا تعالیٰ نے اُس عورت کو ہدایت دی جس نے اپنی شرمگاہ کو نامحرم سے بچایا۔ پس خدا نے اُس میں اپنی رُوح کو پھونک دیا اور اُس کو اور اُسکے بیٹے کو دُنیا کے لئے ایک نشان ٹھہرایا اور خدا نے کہا کہ یہ اُمت تمہاری ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی بندگی کرو۔ مگر وہ فرقہ فرقہ ہو گئے اور اپنی بات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور باہم اختلاف ڈالدیا۔ اور آخر ہر ایک ہماری ہی طرف رجوع کریگا۔ اور تمام فرقے ایسی ہی حالت پر رہینگے یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ ہر ایک بلندی سے دوڑتے ہونگے اور جب تم دیکھو کہ یاجوج ماجوج زمین پر غالب ہو گئے تو سمجھو کہ وعدہ سچا مذہب حق کے پھیلنے کا نزدیک آگیا اور وہ وعدہ یہ ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ[3] اور پھر فرمایا کہ اُس وعدہ کے ظہور کے وقت کفار کی آنکھیں چڑھی ہونگی اور کہینگے کہ اے وائے ہم کو۔ ہم اِس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ظالم تھے یعنی ظہور حق بڑے زور سے ہوگا اور کفار سمجھ لینگے کہ ہم خطا پر ہیں۔ اِن تمام آیات کا ماحصل یہ ہے کہ آخری زمانہ میں دُنیا میں بہت سے مذہب پھیل جائیں گے اور بہت سے فرقے ہو جائینگے پھر دو قومیں خروج کرینگی جنکا عیسائی مذہب ہوگا اور ہر ایک طور کی بلندی وہ حاصل کرینگے اور جب تم دیکھو کہ عیسائی مذہب اور عیسائی حکومتیں دُنیا میں

نوٹ: حزقیل ۳۸ باب اور ۳۹ باب آیت ۵و۶ ۔ روضۃ الصفا بیان اقلیم چہارم پنجم و ششم و تفسیر معالم ۔ منہ

[1] الانبیاء: ۹۲ تا ۹۴ [2] الانبیاء: ۹۷-۹۸ [3] الصف: ۱۰

پھیل گئیں تو جانو کہ وعدہ کا وقت نزدیک ہے۔ پھر دُوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ۔ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۔ الجزو ۱۶ یعنے جب وعدہ خدا تعالیٰ کا نزدیک آجائیگا تو خدا تعالےٰ اُس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دیگا جو یاجوج ماجوج کی روک ہے اور خدا تعالےٰ کا وعدہ سچا ہے اور ہم اُس دن یعنے یاجوج ماجوج کی سلطنت کے زمانہ میں متفرق فرقوں کو مہلت دینگے کہ تا ایک دُوسرے میں موجزنی کریں یعنے ہریک فرقہ اپنے مذہب اور دین کو دُوسرے پر غالب کرنا چاہے گا اور جس طرح ایک موج اُس چیز کو اپنے نیچے دبانا چاہتی ہے جس کے اُوپر پڑتی ہے۔ اسی طرح موج کی مانند بعض بعض پر پڑینگے تا ان کو دبالیں اور کسی کی طرف سے کمی نہیں ہوگی ہریک فرقہ اپنے مذہب کو عروج دینے کے لئے کوشش کریگا اور وُہ انہیں لڑائیوں میں ہوں گے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے صور پھونکا جائے گا۔ تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع کردینگے ‡ صُور پھونکنے سے اِس جگہ یہ اشارہ ہے کہ اُس وقت عادت اللہ کے موافق خدا تعالیٰ کی طرف سے آسمانی تائیدوں کے ساتھ کوئی مصلح پیدا ہوگا اور اُس کے دِل میں زندگی کی

‡حاشیہ ان آیات میں کسی کم تجربہ آدمی کو یہ خیال نہ گذرے کہ ان دونوں مقامات کے بعد میں جہنم کا ذکر ہے اور بظاہر سیاق کلام چاہتا ہے کہ یہ قصّہ آخرت سے متعلق ہو مگر یاد رہے کہ عام محاورہ قرآن کریم کا ہے اور صدہا نظیریں اسکی اُس پاک کلام میں موجود ہیں کہ ایک دُنیا کے قصّہ کے ساتھ آخرت کا قصّہ پیوند کیا جاتا ہے۔ اور ہرایک حصّہ کلام کا اپنے قرائن سے دوسرے حصّہ سے تمیز رکھتا ہے اس طرز سے سارا قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں شق القمر کے معجزہ کو ہی دیکھو کہ وُہ ایک نشان تھا لیکن ساتھ اِس کے قیامت کا قصّہ چھیڑ دیا گیا جس کی وجہ سے بعض نادان قرینوں کو نظر انداز کر کے کہتے ہیں کہ شق القمر وقوع میں نہیں آیا بلکہ قیامت کو ہوگا۔ منہ

روح پھونکی جائے گی اور وہ زندگی دوسروں میں سرایت کرے گی۔ یاد رہے کہ صُور کا لفظ ہمیشہ عظیم الشان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے گویا جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات کو ایک صورت سے منتقل کرکے دوسری صورت میں لاتا ہے تو اس تغیّر صُور کے وقت کو نفخ صُور سے تعبیر کرتے ہیں اور اہل کشف پر مکاشفات کی رو سے اس صُور کا ایک وجود جسمانی بھی محسوس ہوتا ہے اور یہ عجائبات اس عالم میں سے ہیں جن کے سر اس دنیا میں بجز منقطعین کے اور کسی پر کھل نہیں سکتے۔ بہرحال آیات موصوفہ بالا سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں عیسائی مذہب اور حکومت کا زمین پر غلبہ ہوگا اور مختلف قوموں میں بہت سے تنازعات مذہبی پیدا ہونگے اور ایک قوم دوسری قوم کو دبانا چاہے گی اور ایسے زمانہ میں صُور پھونک کر تمام قوموں کو دین اسلام پر جمع کیا جاویگا یعنے سُنت اللہ کے موافق آسمانی نظام قائم ہوگا اور ایک آسمانی مصلح آئیگا درحقیقت اسی مصلح کا نام مسیح موعود ہے کیونکہ جبکہ فتنہ کی بنیاد نصاریٰ کی طرف سے ہوگی اور خدا تعالیٰ کا بڑا مطلب یہ ہوگا کہ اُن کی صلیب کی شان کو توڑے۔ اس لئے جو شخص نصاریٰ کی دعوت کے لئے بھیجا گیا بوجہ رعایت حالت اس قوم کے جو مخاطب ہے اس کا نام مسیح اور عیسیٰ رکھا گیا اور دوسری حکمت اسمیں یہ ہے کہ جب نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا بنایا اور اپنی مفتریات کو اُن کی طرف منسوب کیا اور ہزارہا مکاریوں کو زمین پر پھیلایا اور حضرت مسیح کی قدر کو حد سے زیادہ بڑھا دیا تو اس زندہ اور وحید اور بیمثل کی غیرت نے چاہا کہ اسی اُمت سے عیسیٰ ابن مریم کے نام پر ایک اپنے بندہ کو بھیجے اور کرشمہ قدرت کا دکھلاوے تا ثابت ہو کہ بندوں کو خدا بنانا حماقت ہے وہ جسکو چاہتا ہے چُن لیتا ہے اور مُشتِ خاک کو افلاک تک پہنچا سکتا ہے اور اسجگہ یہ بات بھی یاد رہے کہ زمانہ کے فساد کے وقت جب کوئی مصلح آتا ہے اُسکے ظہور کے وقت پر آسمان سے ایک انتشار نورانیت ہوتا ہے یعنی اُسکے اُترنے کے ساتھ زمین پر ایک نور بھی اُترتا ہے اور مستعد دلوں پر نازل ہوتا ہے تب دُنیا خود بخود بشرط استعداد نیکی اور سعادت کے طریقوں کی طرف رغبت کرتی ہے اور ہر یک دل تحقیق اور تدقیق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور نامعلوم اسباب سے طلب حق کیلئے ہر یک طبیعت مستعدہ

میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے غرض ایک ایسی ہوا چلتی ہے جو مستعد دلوں کو آخرت کی طرف ہلا دیتی ہے اور سوئی ہوئی قوتوں کو جگا دیتی ہے اور زمانہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک انقلاب عظیم کی طرف حرکت کر رہا ہے سو یہ علامتیں اس بات پر شاہد ہوتی ہیں کہ وہ مصلح دنیا میں پیدا ہو گیا پھر جس قدر آنیوالا مصلح عظیم الشان ہو یہ غیبی تحریکات قوت سے مستعد دلوں میں اپنا کام کرتی ہیں۔ ہر یک سعید الفطرت جاگ اُٹھتا ہے اور نہیں جانتا ہے کہ اُسکو کس نے جگایا۔ ہر یک صحیح الجبلت اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے اور نہیں معلوم کر سکتا کہ یہ تبدیلی کیونکر پیدا ہوئی۔ غرض ایک جنبش سی دلوں میں شروع ہو جاتی ہے اور ناداں خیال کرتے ہیں کہ یہ جنبش خود بخود پیدا ہو گئی لیکن درپردہ ایک رسول یا مجدد کے ساتھ یہ انوار نازل ہوتے ہیں چنانچہ قرآن کریم اور احادیث کی رُو سے یہ امر نہایت انکشاف کے ساتھ ثابت ہے جیساکہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ[1]۔ یعنی ہم نے اِس کتاب اور اِس نبی کو لیلۃ القدر میں اُتارا ہے اور تو جانتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے لیلۃ القدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور رُوح القدس اپنے رب کے اذن سے اُترتے ہیں۔ اور وہ ہر یک امر میں سلامتی کا وقت ہوتا ہے یہاں تک کہ فجر ہو۔ اب اگرچہ مسلمانوں کے ظاہری عقیدہ کے موافق لیلۃ القدر ایک متبرک رات کا نام ہے مگر جس حقیقت پر خدا تعالیٰ نے مجھ کو مطلع کیا ہے وہ یہ ہے کہ علاوہ ان معنوں کے جو مسلّم قوم ہیں لیلۃ القدر وہ زمانہ بھی ہے جب دُنیا میں ظلمت پھیل جاتی ہے اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے تب وہ تاریکی بالطبع تقاضا کرتی ہے کہ آسمان سے کوئی نور نازل ہو۔ سو خدا تعالیٰ اس وقت اپنے نورانی ملائکہ اور رُوح القدس کو زمین پر نازل کرتا ہے۔ اُسی طور کے نزول کے ساتھ جو فرشتوں کی شان کے ساتھ مناسب حال ہے تب رُوح القدس تو اس مجدد اور مصلح سے تعلق پکڑتا ہے جو اجتبا اور اصطفا کی خلعت سے

[1] القدر: ۲ تا ۶

مشرف ہوکر دعوتِ حق کے لئے مامور ہوتا ہے اور فرشتے ان تمام لوگوں سے تعلق پکڑتے ہیں جو سعید اور رشید اور مستعد ہیں اور انکو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں اور نیک توفیقیں اُن کے سامنے رکھتے ہیں تب دُنیا میں سلامتی اور سعادت کی راہیں پھیلتی ہیں اور ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جب تک دین اپنے اُس کمال کو پہنچ جائے جو اُسکے لئے مقدر کیا گیا ہے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اِس سورۂ مبارکہ میں صاف اور صریح لفظوں میں فرما دیا کہ جب کوئی مصلح خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے تو ضرور دِلوں کو حرکت دینے والے ملائکہ زمین پر نازل ہوتے ہیں تب انکے نزول سے ایک حرکت اور تموج دِلوں میں نیکی اور راہِ حق کی طرف پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ایسا خیال کرنا کہ یہ حرکت اور یہ تموج بغیر ظہور مصلح کے خود بخود پیدا ہو جاتا ہے خدا تعالےٰ کی پاک کلام اور اُس کے قدیم قانون قدرت کے مخالف ہے اور ایسے اقوال صرف اُن لوگوں کے مُنہ سے نکلتے ہیں جو الٰہی اسرار سے بیخبر محض اور صرف اپنے بے بنیاد اوہام کے تابع ہیں بلکہ یہ تو آسمانی مصلح کے پیدا ہونے کی علامات خاصہ ہیں اور اُس آفتاب کے گرد ذرّات کی مانند ہیں۔ ہاں اِس حقیقت کو دریافت کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ ایک دُنیادار کی دُود آمیز نظر اس نور کو دریافت نہیں کر سکتی دینی صداقتیں اُسکی نظر میں ایک ہنسی کی بات ہے اور معارف الٰہی اسکے خیال میں بیوقوفیاں ہیں۔

اور دُوسری آیات جن میں اُس آخری زمانہ کی نشانیاں بتلائی گئی ہیں یعنی وہ آیات جن میں اوّل ارضی تاریکی زور کے ساتھ پھیلنے کی خبر دیگئی ہو اور پھر آسمانی روشنی کے نازل ہونے کی علامتیں بتلائی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا۔ یعنی آخری زمانہ اُسوقت آئے گا کہ جس وقت زمین ایک ہولناک جنبش کے ساتھ جو اُسکی مقدار کے مناسب حال ہے ہلائی جائیگی یعنی اہل الارض میں ایک تغیر عظیم آئیگا اور نفس اور دُنیا پرستی کی طرف لوگ جُھک جائینگے اور پھر فرمایا کہ زمین اپنے تمام بوجھ نکال ڈالیگی

ؐ الزلزال : ۲ تا ۶

یعنے زمینی علوم اور زمینی مکر اور زمینی چالاکیاں اور زمینی کمالات جو کچھ انسان کی فطرت میں مودع ہیں سب کی سب ظہور میں آجائیں گی اور نیز زمین جسپر انسان رہتے ہیں اپنے تمام خواص ظاہر کر دیگی اور علم طبعی اور فلاحت کے ذریعہ سے بہت سی خاصیتیں اسکی معلوم ہو جائینگی اور کانیں نمودار ہونگی اور کاشتکاری کی کثرت ہو جائے گی۔ غرض زمین زرخیز ہو جائیگی اور انواع واقسام کی کلیں ایجاد ہونگی یہانتک کہ انسان کہے گا کہ یہ کیا ماجرا ہے اور یہ نئے نئے علوم اور نئے نئے فنون اور نئی نئی صنعتیں کیونکر ظہور میں آتی جاتی ہیں تب زمین یعنی انسانوں کے دل زبانِ حال سے اپنے قصّے سُنائیں گے کہ یہ نئی باتیں جو ظہور میں آرہی ہیں یہ ہماری طرف سے نہیں یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی وحی ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ انسان اپنی کوششوں سے اس قدر علوم عجیبہ پیدا کر سکے ۔

اور یاد رہے کہ ان آیات کے ساتھ جو قرآن کریم میں بعض دُوسری آیات جو آخرت کے متعلق ہیں شامل کی گئی ہیں وُہ درحقیقت اُسی سنت اللہ کے موافق شامل فرمائی گئی ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ورنہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حقیقی اور مقدم معنے ان آیات کے یہی ہیں جو ہم نے بیان کئے اور اُسپر قرینہ جو نہایت قوی اور فیصلہ کرنے والا ہے یہ ہے کہ اگر ان آیات کے حسب ظاہر معنے کئے جائیں تو ایک فساد عظیم لازم آتا ہے۔ یعنے اگر ہم اس طور سے معنے کریں کہ کسی وقت باوجود قائم رہنے اس آبادی کے جو دُنیا میں موجود ہے۔ ایسے سخت زلزلے زمین پر آئیں گے جو تمام زمین کے اُوپر کا طبقہ نیچے اور نیچے کا اُوپر ہو جائے گا۔ تو یہ بالکل غیر ممکن اور ممتنعات میں سے ہے۔ آیت موصوفہ میں صاف لکھا ہے کہ انسان کہیں گے کہ زمین کو کیا ہو گیا۔ پھر اگر حقیقتاً یہی بات سچ ہے کہ زمین نہایت شدید زلزلوں کے ساتھ زیر و زبر ہو جائیگی تو انسان کہاں ہو گا جو زمین سے سوال کرے گا تو وُہ پہلے ہی زلزلہ کے ساتھ زاویہ عدم میں مخفی ہو جائیگا۔ علوم حسّیہ کا تو کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا پس ایسے معنے کرنا جو بداہت باطل اور قرائن موجودہ کے مخالف ہوں گویا اسلام سے ہنسی کرانا

اور مخالفین کو اعتراض کے لئے موقعہ دینا ہے پس واقعی اور حقیقی معنے یہی ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تغیرات اور فتن اور زلازل ہمارے زمانہ میں قوم نصاریٰ سے ہی ظہور میں آئے ہیں جنکی نظیر دُنیا میں کبھی نہیں پائی گئی۔ پس یہ ایک دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ یہی قوم وہ آخری قوم ہے جس کے ہاتھ سے طرح طرح کے فتنوں کا پھیلنا مقدر تھا جس نے دُنیا میں طرح طرح کے ساحرانہ کام دکھلائے۔ اور جیسا کہ لکھا ہے کہ دجّال نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اور نیز خدائی کا دعویٰ بھی اُس سے ظہور میں آئیگا۔ وہ دونوں باتیں اس قوم سے ظہور میں آگئیں۔ نبوت کا دعویٰ اس طرح پر کہ اس قوم کے پادریوں نے نبیوں کی کتابوں میں بڑی گستاخی سے دخل بیجا کیا اور ایسی بے باکانہ مداخلت کی کہ گویا وہ آپ ہی نبی ہیں جس طرف چاہا اُن کی عبارات کو پھیر لیا اور اپنے مدعا کے موافق شرحیں لکھیں اور بیباکی سے ہریک جگہ مفتریانہ دخل دیا۔ موجود کو چھپایا اور معدوم کو ظاہر کیا اور دعویٰ کے ساتھ ایسے محرف طور پر معنے کئے کہ گویا اُن پر وحی نازل ہوئی اور وُہ نبی ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ وُہ مناظرات اور مباحثات کے وقت ایسے بیہودہ اور دُور از صدق جواب عمداً دیتے ہیں کہ گویا وہ ایک نئی انجیل بنا رہے ہیں۔ ایسا ہی اُن کی تالیفات بھی کسی نئے عیسیٰ اور نئی انجیل کی طرف رہبری کر رہی ہیں اور وُہ جھوٹ بولنے کے وقت ذرہ ڈرتے نہیں اور چالاکی کی راہ سے کروڑ ہا کتابیں اپنے اس کاذبانہ دعوے کے متعلق بنا ڈالیں گویا وُہ دیکھ آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدائی کی کرسی پر بیٹھے ہیں اور خدائی کا اس طرح پر دعویٰ کیا کہ خدائی کاموں میں حد سے زیادہ دخل دیدیا اور چاہا کہ زمین و آسمان میں کوئی بھی ایسا بھید مخفی نہ رہے جو وہ اُسکی تہ تک نہ پہنچ جائیں اور ارادہ کیا کہ خدا تعالیٰ کے سارے کاموں کو اپنی مٹھی میں لے لیں اور ایسے طور سے خدائی کی کل اُنکے ہاتھ میں آجائے کہ اگر ممکن ہو تو سُورج کا غروب اور طلوع بھی انہیں کے اختیار میں ہی ہو اور بارش کا ہونا نہ ہونا بھی اُنکے اپنے ہاتھ کی کارستانی پر موقوف ہو اور کوئی بات اُنکے آگے انہونی نہ رہے اور دعویٰ خدائی اور کیا ہوتا ہے یہی تو ہے کہ خدائی کاموں

ہیں اور خدا تعالیٰ کی خاص قدرتوں میں ہی دست اندازی کریں اور یہ شوق پیدا ہو کہ کسی طرح اسکی جگہ بھی ہم ہی لے لیں۔ وہ لوگ جو احادیث مسیح موعود اور احادیث متعلقہ دجال پر حرف زنی کرتے ہیں اُن کو اِس مقام میں بھی غور کرنی چاہیئے کہ اگر یہ پیشگوئیاں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتیں اور صرف انسان کا کاروبار ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ایسی صفائی اور عمدگی سے پوری ہوتیں کیا یہ بھی کبھی کسی کے گمان میں تھا کہ یہ قوم نصاریٰ کسی زمانہ میں انسان کے خدا بنانے میں اِس قدر کوششیں اور جلسازیاں کرینگے اور فلسفی تحقیقاتوں میں خدا کے لئے کوئی مرتبہ خصوصیت نہیں چھوڑینگے۔ دیکھو خر دجّال جس کے مابین اُذنین کا ستّر باع کا فاصلہ لکھا ہے ریلوں کی گاڑیوں سے بطور اغلب اکثر بالکل مطابق آتا ہے اور جیساکہ قرآن شریف و حدیث میں آیا ہے کہ اس زمانہ میں اُونٹ کی سواریاں موقوف ہو جائیں گی۔ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ریل کی سواری نے اِن تمام سواریوں کو مات کر دیا اور اب انکی بہت ہی کم ضرورت باقی رہی ہے اور شائد تھوڑے ہی عرصہ میں اِس قدر ضرورت بھی باقی نہ رہے ایسا ہی ہم نے بچشم دیکھا کہ درحقیقت اس قوم کے علماء و حکماء نے دین کے متعلق وہ فتنے ظاہر کئے کہ جن کی نظیر حضرت آدم سے لے کر تا ایں دم پائی نہیں جاتی۔ پس بلاشبہ نبوت میں بھی انہوں نے مداخلت کی اور خدائی میں بھی۔ اب اس سے زیادہ ان احادیث کی صحت کا کیا ثبوت ہو کہ اُن کی پیشگوئی پوری ہو گئی اور قرآن کریم کی ان آیات میں یعنی اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا[1] میں حقیقت میں اسی دجّالی زمانہ کی طرف اشارہ ہے جسکو ذرہ بھی عقل ہو وہ سمجھ سکتا ہے اور یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ وہ قوم ارضی علوم میں کہاں تک ترقی کریگی۔

پھر اسی زمانہ کی علامات میں جبکہ ارضی علوم و فنون زمین سے نکالے جائینگے بعض ایجادات اور صناعات کو بطور نمونہ کے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ[2] جبکہ زمین کھینچی جاویگی یعنے زمین صاف کیجائیگی اور آبادی بڑھ جاوے گی اور جو کچھ زمین میں ہے اُسکو زمین باہر ڈال دیگی اور خالی ہو جائے گی یعنے تمام ارضی

[1] الزلزال: ۲ [2] الانشقاق: ۴-۵

استعدادیں ظہور و بروز میں آجائیں گی جیسا کہ پہلے اس سے ابھی اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[1] یعنے اُس وقت اونٹنی بیکار ہو جائیگی اور اُس کا کچھ قدر و منزلت نہیں رہیگا۔ عشار حملدار اونٹنی کو کہتے ہیں جو عربوں کی نگاہ میں بہت عزیز ہے اور ظاہر ہے کہ قیامت سے اس آیت کو کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ قیامت ایسی جگہ نہیں جس میں اونٹ اونٹنی کو ملے اور حمل ٹھہرے بلکہ یہ ریل کے نکلنے کیطرف اشارہ ہے اور حملدار ہونے کی اسلئے قید لگا دی کہ تا یہ قید دنیا کے واقعہ پر قرینہ قویہ ہو اور آخرت کی طرف ذرہ بھی وہم نہ جائے وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ[2] اور جسوقت کتابیں منتشر کیجائیگی اور پھیلائی جائینگی یعنے اشاعت کتب کے وسائل پیدا ہو جائینگے یہ چھاپے خانوں اور ڈاک خانوں کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں انکی کثرت ہو جائیگی۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ[3] اور جسوقت جانیں باہم ملائی جائیں گی۔ یہ تعلقات اقوام اور بلاد کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں بباعث راستوں کے کھلنے اور انتظام ڈاک اور تار برقی کے تعلقات بنی آدم کے بڑھ جائینگے اور ایک قوم دوسری قوم کو ملے گی اور دور دور کے رشتے اور تجارتی اتحاد ہونگے اور بلاد بعیدہ کے دوستانہ تعلقات بڑھ جائینگے۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ[4] اور جسوقت وحشی آدمیوں کے ساتھ اکٹھے کئے جائینگے مطلب یہ ہے کہ وحشی قومیں تہذیب کی طرف رجوع کرینگی اور ان میں انسانیت اور تمیز آئے گی اور اراذل دنیوی مراتب اور عزت سے ممتاز ہو جائینگے اور بباعث دنیوی علوم و فنون پھیلنے کے شریفوں اور رذیلوں میں کچھ فرق نہیں رہیگا بلکہ رذیل غالب آجائینگے یہاں تک کہ کلید دولت اور عنانِ حکومت انکے ہاتھ میں ہوگی اور مضمون اس آیت کا ایک حدیث کے مضمون سے بھی ملتا ہے۔ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ[5] اور جس وقت دریا چیرے جاوینگے یعنی زمین پر نہریں پھیل جائیں گی۔ اور کاشتکاری کثرت سے ہوگی۔ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ[6] اور جس وقت پہاڑ اڑائے جائینگے اور ان میں سڑکیں پیادوں اور سواروں کے چلنے کی یا ریل کے چلنے کیلئے بنائی جائینگی۔ پھر علاوہ اسکے عام ظلمت کی نشانیاں بیان فرمائیں اور فرمایا۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ[7] جسوقت سورج لپیٹا

---

[1] التکویر: ۵ [2] التکویر: ۱۱ [3] التکویر: ۸ [4] التکویر: ۶ [5] الانفطار: ۴
[6] المرسلات: ۱۱ [7] التکویر: ۲

جاویگا یعنے سخت ظلمت جہالت اور معصیت کی دُنیا پر طاری ہوجائیگی وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ[1] اور جس وقت تارے گدلے ہو جائینگے یعنی علماء کا نور اخلاص جاتا رہیگا۔ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ[2] اور جس وقت تارے جھڑ جائینگے یعنی ربّانی علماء فوت ہو جائینگے کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ زمین پہ تارے گریں اور پھر زمین پر لوگ آباد رہ سکیں۔ یاد رہے کہ مسیح موعود کے آنے کیلئے اسی قسم کی پیشگوئی انجیل میں بھی ہے کہ وہ اُس وقت آئیگا کہ جب زمین پر تارے گرجائینگے اور سُورج اور چاند کا نور جاتا رہیگا۔ اور اِن پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کرنا اس قدر خلافِ قیاس ہے کہ کوئی دانا ہرگز یہ تجویز نہیں کریگا کہ درحقیقت سُورج کی روشنی جاتی رہے اور ستارے تمام زمین پر گر پڑیں اور پھر زمین بدستور آدمیوں سے آباد ہو اور اُس حالت میں مسیح موعود آوے۔ اور پھر فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ[3] جس وقت آسمان پھٹ جاوے۔ ایسا ہی فرمایا۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ[4] اور انجیل میں بھی اسی کے مطابق مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے مگر اِن آیتوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت اُسوقت آسمان پھٹ جائیگا یا اُسکی قوتیں سُست ہو جائینگی بلکہ مُدعا یہ ہے کہ جیسے پھٹی ہُوئی چیز بیکار ہو جاتی ہے ایسا ہی آسمان بھی بیکار سا ہو جائیگا۔ آسمان سے فیوض نازل نہیں ہونگے اور دُنیا ظلمت اور تاریکی سے بھر جائیگی۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ[5] اور جب رسول وقت مقرر پر لائے جائیں گے یہ اشارہ درحقیقت مسیح موعود کے آنے کی طرف ہے اور اس بات کا بیان مقصود ہے کہ وُہ عین وقت پر آئیگا اور یاد رہے کہ کلام اللہ میں رُسل کا لفظ واحد پر بھی اطلاق پاتا ہے اور غیر رسول پر بھی اطلاق پاتا ہے اور یہ مَیں کئی دفعہ بیان کرچکا ہوں کہ اکثر قرآن کریم کی آیات کئی وجوہ کی جامع ہیں جیساکہ یہ احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن شریف کیلئے ظہر بھی ہے اور بطن بھی۔ پس اگر رسول قیامت کے میدان میں بھی شہادت کیلئے جمع ہوں تو اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا لیکن اس مقام میں جو آخری زمانہ کی ابتر علامات بیان فرما کر پھر اخیر پر یہ بھی فرمادیا کہ اسوقت رسول وقت مقرر پر لائے جائینگے۔ تو قرائن بیّنہ صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اُس ظلمت کے کمال کے بعد خدا تعالیٰ کسی اپنے

[1] التکویر: ۳ [2] الانفطار: ۳ [3] الانشقاق: ۲ [4] الانفطار: ۲ [5] المرسلٰت: ۱۲

مرسل کو بھیجے گا۔ تا مختلف قوموں کا فیصلہ ہو اور چونکہ قرآن شریف سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ظلمت عیسائیوں کی طرف سے ہوگی تو ایسا مامور من اللہ بلاشبہ انہیں کی دعوت کے لئے اور انہیں کے فیصلہ کیلئے آئیگا۔ پس اسی مناسبت سے اُس کا نام عیسیٰ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ عیسائیوں کے لئے ایسا ہی بھیجا گیا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُنکے لئے بھیجے گئے تھے اور آیت وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ میں الف لام عہد خارجی پر دلالت کرتا ہے یعنے وہ مجدد جس کا بھیجنا بزبان رسول کریم معہود ہو چکا ہے وہ اُس عیسائی تاریکی کے وقت میں بھیجا جائیگا۔

جس قدر اب تک ہم آیات قرآن کریم لکھ چکے ہیں اُن سے بخوبی ظاہر ہے کہ ضرور قرآن کریم میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ آخری زمانہ میں دین عیسوی دُنیا میں بکثرت پھیل جائیگا۔ اور وہ لوگ ارادہ کرینگے کہ تا دینِ اسلام کو رُوئے زمین پر سے مٹا دیں اور جہانتک اُن کے لئے ممکن ہوگا اپنے دین کی بھلائی میں کوئی دقیقہ چھوڑ نہیں رکھیں گے۔ تب خدا تعالےٰ دینِ اسلام کی نصرت کی طرف متوجہ ہوگا اور اُس فتنہ کے وقت میں دکھلائیگا کہ وہ کیونکر اپنے دین اور اپنے پاک کلام کا محافظ ہے۔ تب اُسکی عادت اور سُنت کے موافق ایک آسمانی روشنی نازل ہوگی اور ہر ایک سعید اُس روشنی کی طرف کھینچا جائیگا یہانتک کہ تمام سعادت کے جگر پارے ایک ہی جھنڈے کے نیچے آ جائینگے۔ خدا تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ لڑائیوں اور مباحثات کے شور اٹھنے کے وقت میں نفخ صور ہوگا تب سعید لوگ ایک ہی مذہب پر جمع کئے جائینگے اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ تاریکی کے وقت میں رسولوں کو بھیجا جائیگا۔ اب اس سے اور کیا تصریح ہوگی کہ اللہ جلشانہ نے اوّل آخری زمانہ کی علامت یاجوج ماجوج کا غلبہ یعنے روس اور انگریزوں کا تسلط بیان فرمایا۔ پھر دوسری علامت بہت سے فرقے پیدا ہو جانا قرار دیا۔ پھر تیسری علامت ان فرقوں کا آپس میں مباحثات کرنا اور موج کی طرح ایک دوسرے پر پڑنا بیان فرمایا۔ پھر چوتھی علامت ریل کا جاری ہونا۔ پھر پانچویں علامت کتابوں اور اخبار کے شائع ہونے کے ذریعے یعنے چھاپہ خانہ اور تار برقی۔ پھر چھٹی

علامت نہروں کا نکلنا اور پھر ساتویں علامت زمین کی آبادی اور کاشتکاری زیادہ ہوجانا اور پھر آٹھویں علامت پہاڑوں کا اُڑایا جانا اور پھر نویں علامت تمام علوم وفنون جدیدہ کی ترقی ہونا پھر دسویں علامت گناہ اور تاریکی کا پھیلنا اور دُنیا سے تقویٰ اور طہارت اور ایمانی نور اُٹھ جانا پھر گیارھویں علامت دابۃ الارض کا ظہور میں آنا یعنے ایسے واعظوں کا بکثرت ہوجانا جن میں آسمانی نور ایک ذرہ بھی نہیں اور صرف وہ زمین کے کیڑے ہیں اعمال اُنکے دجّال کے ساتھ ہیں۔ اور زبانیں انکی اسلام کے ساتھ یعنی عملی طور پر وہ دجّال کے خادم اور ممسوخ الصورت اور حیوانی شکل ظاہر کرتے ہیں مگر زبانیں اُنکی انسان کی سی ہیں۔ پھر بارھویں علامت مسیح موعود کا پیدا ہونا ہے جس کو کلام الٰہی میں نفخ صور کے استعارہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور نفخ حقیقت میں دو قسم پر ہے۔ ایک نفخ اضلال اور ایک نفخ ہدایت۔ جیساکہ اس آیت میں اِس کی طرف اشارہ ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔[1] یہ آیتیں ذوالوجوہ ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی۔ جیساکہ آیت اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا[2] اور جیساکہ آیت فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا[3]۔ اور اس عالم کے لحاظ سے اِن آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ آخری دنوں میں دو زمانے آئیں گے۔ ایک ضلالت کا زمانہ اور اس زمانہ میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنے شقی اور سعید پر غفلت سی طاری ہوگی مگر جس کو خدا محفوظ رکھے اور پھر دُوسرا زمانہ ہدایت کا آئیگا۔ پس ناگاہ لوگ کھڑے ہوجائیں گے اور دیکھتے ہونگے۔ یعنی غفلت دُور ہوجائے گی اور دِلوں میں معرفت داخل ہوجائے گی۔ اور شقی اپنی شقاوت پر متنبہ ہوجائیں گے گو ایمان نہ لاویں۔

اور علاوہ ان آیات کے قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اِس آخری زمانہ اور مسیح موعود کے آنے پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اِن معانی مبارکہ کے ماخذ دقیق ہیں۔ اِس لئے ہر یک سطحی خیال کا آدمی اِس طرف توجہ نہیں کرسکتا۔ اور موٹی سمجھ ان دقائق کو پا نہیں سکتی۔ چنانچہ

[1] الزمر: ۶۹ [2] الحدید: ۱۸ [3] الرعد: ۱۸

منجملہ اُن کے یہ آیت ہے اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡكُمۡ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيۡكُمۡ كَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُولًا[1]۔ اب ظاہر ہے کہ **کَمَا** کے لفظ سے یہ اشارہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم **مثیل موسیٰ** ہیں۔ چنانچہ توریت باب استثنا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے مراد مماثلت تامہ ہے نہ کہ مماثلت ناقصہ۔ کیونکہ اگر مماثلتِ ناقصہ مراد ہو تو پھر اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی وجہ یہ کہ ایسی مماثلت والے بہت سے نبی ثابت ہونگے جنہوں نے خدا تعالیٰ کے حکم سے تلوار بھی اٹھائی اور حضرت موسیٰ کی طرح جنگ بھی کئے۔ اور عجیب طور پر فتحیں بھی حاصل کیں مگر کیا وہ اس پیشگوئی کے مصداق ٹھہر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ غرض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب مماثلت سے **مماثلت تامہ** مراد ہو۔ اور مماثلت تامہ کی عظیم الشان جزوں میں سے ایک یہ بھی جزو ہے کہ اللہ جلّشانہٗ نے حضرت موسیٰ کو اپنی رسالت سے مشرف کر کے پھر بطور اکرام و انعام خلافت ظاہری اور باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا جو قریباً چودہ سو برس تک ممتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُس کا **خاتمہ** ہوا۔ اس عرصہ میں صدہا بادشاہ اور صاحب وحی اور الہام شریعت موسوی میں پیدا ہوئے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ شریعت موسوی کے حامیوں کی ایسے عجیب طور پر مدد کرتا رہا جو ایک حیرت انگیز یادگار کے طور پر وہ باتیں صفحات تاریخ پر محفوظ رہیں جیسا کہ اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ[2] ثُمَّ قَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيۡنَا بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ وَجَعَلۡنَا فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ رَاۡفَةً وَّرَحۡمَةً۔[3]

یعنے ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور بہت سے رسُل اُسکے پیچھے آئے پھر سب کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور اُسکو انجیل دی اور اُسکے تابعین کے دلوں میں رحمت اور شفقت رکھدی۔ یعنی وہ تلوار سے نہیں بلکہ اپنی تواضع اور فروتنی اور اخلاق سے دعوت دین کرتے تھے۔ اس آیت میں یہ اشارہ

[1] المزمل: ۱۶، [2] البقرۃ: ۸۸ [3] الحدید: ۲۸

ہے کہ موسوی شریعت اگرچہ جلالی تھی اور لاکھوں خون اس شریعت کے حکموں سے ہوئے یہاں تک کہ چار لاکھ کے قریب شیر خوار بچہ بھی مارا گیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اُس سلسلہ کا خاتمہ رحمت پر کرے اور انہیں میں سے ایسی قوم پیدا کرے کہ وہ تلوار سے نہیں بلکہ علم اور خلق سے اور محض اپنی قوتِ قدسیہ کے زور سے بنی آدم کو راہ راست پر لاویں ۔

اب چونکہ مماثلت فی الانعامات ہونا از بس ضروری ہے اور مماثلت تامہ تبھی متحقق ہوسکتی ہے کہ جب مماثلت فی الانعامات متحقق ہو۔ پس اسی لئے یہ ظہور میں آیا کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قریباً چودہ سو برس تک ایسے خدام شریعت عطا کئے گئے کہ وہ رسول اور ملہم من اللہ تھے اور اختتام اس سلسلہ کا ایک ایسے رسول پر ہوا جس نے تلوار سے نہیں بلکہ فقط رحمت اور خُلق سے حق کی طرف دعوت کی۔ اسی طرح ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی وہ خدام شریعت عطا کئے گئے جو بر طبق حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ملہم اور محدّث تھے اور جس طرح موسیٰ کی شریعت کے آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے جنہوں نے نہ تلوار سے بلکہ صرف خلق اور رحمت سے دعوتِ حق کی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اس شریعت کیلئے مسیح موعود کو بھیجا تا وُہ بھی صرف خُلق اور رحمت اور انوار آسمانی سے راہ راست کی دعوت کرے اور جس طرح حضرت مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریباً چودہ سو برس بعد آئے تھے اس **مسیح موعود** نے بھی چودھویں صدی کے سر پر ظہور کیا اور محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ سے انطباق کلّی پا گیا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں تو حمایت دین کیلئے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرسل ہونے میں نبی اور محدّث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا۔ ایسا ہی محدّثین کا نام بھی مرسل رکھا۔ اسی اشارہ کی غرض سے قرآن شریف میں وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ[1] آیا ہے اور یہ نہیں کہ قَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالْاَنْبِیَاءِ۔ پس یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسل سے مراد مرسل ہیں خواہ وُہ رسول ہوں یا نبی ہوں یا محدّث ہوں چونکہ ہمارے سید و رسول صلّی اللہ علیہ وسلم

[1] البقرۃ: ۸۸

خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لئے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدّث رکھے گئے اور اسی کیطرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ[1] چونکہ ثلّہ کا لفظ دونوں فقروں میں برابر آیا ہے اس لئے قطعی طور پر یہاں سے ثابت ہوا کہ اس اُمت کے محدّث اپنی تعداد میں اور اپنے طولانی سلسلہ میں موسوی اُمت کے مرسلوں کے برابر ہیں اور درحقیقت اسی کی طرف اس دُوسری آیت میں بھی اشارہ ہے اور وہ یہ ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا[2] یعنے خدا نے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ وعدہ کیا ہے کہ البتہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ کریگا جیسا کہ اُن لوگوں کو کیا جو اُن سے پہلے گذر گئے اور اُنکے دین کو جو اُنکے لئے پسند کیا ہے ثابت کردیگا اور اُنکے لئے خوف کے بعد امن کو بدل دیگا میری عبادت کرینگے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (الجزو ۱۸ سورۃ نور) اب غور سے دیکھو کہ اس آیت میں بھی مماثلت کی طرف صریح اشارہ ہے اور اگر اس مماثلت سے مماثلت تامہ مُراد نہیں تو کلام عبث ہوا جاتا ہے کیونکہ شریعت موسوی میں چودہ سو ۱۴۰۰ برس تک خلافت کا سلسلہ ممتد رہا۔ نہ صرف تیس ۳۰ برس تک اور صدہا خلیفے رُوحانی اور ظاہری طور پر ہوئے نہ صرف چار اور پھر ہمیشہ کے لئے خاتمہ۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ مِنكُمْ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ خلیفے صرف صحابہ میں سے ہوں کیونکہ منکم کے لفظ میں مخاطب صرف صحابہ ہیں تو یہ خیال ایک بدیہی غلطی ہے اور ایسی بات صرف اُس شخص کے مُنہ سے نکلے گی جس نے کبھی قرآن کریم کو غور سے نہیں پڑھا اور نہ اُس کی اسالیب کلام کو پہچانا۔ کیونکہ اگر یہی بات سچ ہے کہ مخاطبت کے وقت وہی لوگ مُراد ہوتے ہیں جو موجودہ زمانہ میں بحیثیت ایمانداری زندہ موجود ہوں تو ایسا تجویز کرنے سے سارا قرآن

[1] الواقعۃ: ۱۴-۱۵ [2] النور: ۵۶

زیر وزبر ہو جائیگا۔ مثلاً اسی آیت موصوفہ بالا کے مشابہ قرآن کریم میں ایک اور آیت بھی ہے جسمیں اسی طرح بظاہر الفاظ وہ لوگ مخاطب ہیں جو حضرت موسٰی پر ایمان لائے تھے اور اسوقت زندہ موجود تھے بلکہ ان آیات میں تو اس بات پر نہایت قوی قرائن موجود ہیں کہ درحقیقت وہی مخاطب کئے گئے ہیں اور وہ آیات یہ ہیں قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ قَالُوْۤا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۔[1] الجزو ۹ سورۃ الاعراف۔ یعنی فرعون نے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرینگے اور اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور تحقیقاً ہم ان پر غالب ہیں۔ تب موسٰی نے اپنی قوم کو کہا کہ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو زمین خدا کی ہے جسکو اپنے بندوں سے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام بخیر پرہیزگاروں کا ہی ہوتا ہے۔ تب موسٰی کی قوم نے اس کو جواب دیا کہ ہم تیرے پہلے بھی ستائے جاتے تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ستائے گئے تو موسٰی نے اُنکے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور زمین پر تمہیں خلیفے مقرر کر دے اور پھر دیکھے کہ تم کس طور کے کام کرتے ہو؞

اَب اِن آیات میں صریح اور صاف طور پر وہی لوگ مخاطب ہیں جو حضرت موسٰی کی قوم میں سے اُن کے سامنے زندہ موجود تھے اور انہوں نے فرعون کے ظلموں کا شکوہ بھی کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ ہم تیرے پہلے بھی ستائے گئے اور تیرے آنے کے بعد بھی۔ اور انہیں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تم ان تکلیفات پر صبر کرو خدا تمہاری طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہوگا اور تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیگا اور تم کو زمین پر خلیفے بنا دیگا لیکن تاریخ دانوں پر ظاہر ہے اور یہودیوں اور نصارٰی کی کتابوں کو دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ گو اس قوم کا دشمن یعنی فرعون اُنکے سامنے ہلاک ہوا مگر وہ خود تو زمین پر نہ ظاہری خلافت پر پہنچے نہ باطنی خلافت پر۔ بلکہ اکثر انکی نافرمانیوں سے ہلاک

[1] الاعراف: ۱۲۸ تا ۱۳۰

کٹ گئے اور چالیس برس تک بیابان لق و دق میں آوارہ رہ کر جان بحق تسلیم ہوئے پھر بعد انکی ہلاکت کے انکی اولاد میں ایک ایسا سلسلہ خلافت کا شروع ہوا کہ بہت سے بادشاہ اس قوم میں ہوئے اور داؤد اور سلیمان جیسے خلیفۃ اللہ اسی قوم میں سے پیدا ہوئے یہانتک کہ آخر یہ سلسلہ خلافت کا چودھویں صدی میں حضرت مسیح پر ختم ہوا پس اس سے ظاہر ہے کہ کسی قوم موجودہ کو مخاطب کرنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خطاب قوم موجودہ تک ہی محدود رہے بلکہ قرآن کریم کا تو یہی محاورہ پایا جاتا ہے کہ بسا اوقات ایک قوم کو مخاطب کرتا ہے مگر اصل مخاطب کوئی اور لوگ ہوتے ہیں جو گذر گئے یا آئندہ آنیوالے ہیں مثلاً اللہ جلشانہٗ سورۃ البقرہ میں یہود موجودہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ[1] یعنی اے بنی اسرائیل اس نعمت کو یاد کرو جو ہمنے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو تا میں بھی تمہارے عہد کو پورا کروں اور مجھ سے پس ڈرو۔ اب ظاہر ہے کہ یہود موجودہ زمانہ آنحضرت تو ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ کا مصداق تھے انپر تو کوئی انعام بھی نہیں ہوا تھا اور نہ ان سے یہ عہد ہوا تھا کہ تم نے خاتم الانبیاء پر ایمان لانا۔ پھر بعد اسکے فرمایا۔ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ۔ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ[2] یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی جو تم کو طرح طرح کے دکھ دیتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارا بڑا امتحان تھا اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے تمہارے پہنچنے کے ساتھ ہی دریا کو پھاڑ دیا پھر ہم نے تم کو نجات دے دی اور فرعون کے لوگوں کو ہلاک کر دیا اور تم دیکھتے تھے۔

اب سوچنا چاہیئے کہ ان واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی ان یہودیوں کو پیش نہیں آیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے نہ وہ فرعون کے ہاتھ سے دکھ دیئے گئے تھے

[1] البقرة: ٤١ [2] البقرة: ٥٠-٥١

نہ اُن کے بیٹوں کو کسی نے قتل کیا نہ وہ کسی دریا سے پار کیئے گئے۔ پھر آگے فرماتا ہے وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی[1] یعنے وہ وقت یاد کرو جب تم نے موسٰی کو کہا ہم تیرے کہے پر تو ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو بچشم خود نہ دیکھ لیں تب تم پر صاعقہ پڑی اور پھر تم کو زندہ کیا گیا تاکہ تم شکر کرو اور ہم نے بادلوں کو تم پر سائبان کیا اور ہم نے تم پر من اور سلوٰی اُتارا۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت موسٰی تو ان یہودیوں سے جو قرآن میں مخاطب کیئے گئے دو ہزار برس پہلے فوت ہو چکے تھے اور انکا حضرت موسٰی کے زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر وہ حضرت موسٰی سے ایسا سوال کیونکر کر سکتے تھے کہاں اُنپر بجلی گری کہاں انہوں نے من و سلوٰی کھایا۔ کیا وُہ پہلے حضرت موسٰی کے زمانہ میں اور اور قالبوں میں موجود تھے اور پھر آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی بطور تناسخ آموجود ہوئے اور اگر یہ نہیں تو بجز اس تاویل کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ مخاطبت کے وقت ضروری نہیں کہ وہی لوگ حقیقی طور پر واقعات منسوبہ کے مصداق ہوں جو مخاطب ہوں کلام الٰہی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ایک قاعدہ ٹھہر گیا ہے کہ بسا اوقات کوئی واقعہ ایک شخص یا ایک قوم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور در اصل وہ واقعہ کسی دُوسری قوم یا دُوسرے شخص سے تعلق رکھتا ہے اور اسی باب میں سے عیسٰی ابن مریم کے آنے کی خبر ہے کیونکہ بعض احادیث میں آخری زمانہ میں آنے کا ایک واقعہ حضرت عیسٰی کی طرف منسوب کیا گیا حالانکہ وُہ فوت ہو چکے تھے۔ پس یہ واقعہ بھی حضرت مسیح کی طرف ایسا ہی منسوب ہے جیسا کہ واقعہ فرعون کے ہاتھ سے نجات پانے کا اور منّ و سلوٰی کھانے کا اور صاعقہ گرنے کا اور دریا سے پار ہونے کا اور قصہ لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ[2] کا اُن یہودیوں کی طرف منسوب کیا گیا جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے۔ حالانکہ وہ واقعات اُن کی پہلی قوم کے تھے جو اُن سے صدہا برس پہلے مر چکے تھے۔ پس اگر کسی کو آیات کے معنے کرنے میں

[1] البقرۃ: ۵۶ تا ۵۸ [2] البقرۃ: ۶۲

معقولی شق کی طرف خیال نہ ہو اور ظاہر الفاظ پر اڑ جانا واجب سمجھے تو کم سے کم ان آیات سے یہ ثابت ہوگا کہ مسئلہ تناسخ حق ہی ورنہ کیونکر ممکن تھا کہ خدا تعالیٰ ایک فاعل کے فعل کو کسی ایسے شخص کی طرف منسوب کرے جسکو اس فعل کے ارتکاب سے کچھ بھی تعلق نہیں حالانکہ وُہ آپ ہی فرماتا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] پھر اگر موسیٰ کی قوم نے موسیٰ کی نافرمانی کی تھی اور اُنپر بجلی گری تھی یا انہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اور انپر عذاب نازل ہوُا تھا تو اس دُوسری قوم کو ان واقعات سے کیا تعلق تھا جو دو ہزار برس بعد پیدا ہوئی۔ یُوں تو حضرت آدمؑ سے تا ابن دم متقدمین متاخرین کے لیئے بطور آباء و اجداد ہیں لیکن کسی کا گنہ کسی پر عاید نہیں ہوسکتا۔ پھر خدا تعالیٰ کا قرآن کریم میں یہ فرمانا کہ تم نے موسیٰ کی نافرمانی کی اور تم نے کہا کہ ہم خدا کو نہیں مانیں گے جبتک اسکو نہ دیکھ لیں اور اس گنہ کے سبب سے تم پر بجلی گری کیونکر ان تمام الفاظ کے بنظر ظاہر کوئی اور معنے ہو سکتے ہیں بجز اسکے کہ کہا جائے کہ دراصل وہ تمام یہودی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے حضرت موسیٰ کے وقت میں بھی موجود تھے اور انہیں پر من وسلویٰ نازل ہوُا تھا او انہیں پر بجلی پڑی تھی اور انہیں کی خاطر فرعون کو ہلاک کیا گیا تھا اور پھر وہی یہودی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بطور تناسخ پیدا ہوگئے اور اس طرح پر خطاب صحیح ٹھہر گیا مگر سوال یہی کہ کیوں ایسے سیدھے معنے نہیں کئے جاتے۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے دُور ہیں اور کیوں ایسے معنے قبول کئے جاتے ہیں جو تاویلات بعیدہ کے حکم میں ہیں کیا خدا تعالیٰ قادر نہیں کہ جس طرح بقول ہمارے مخالفوں کے وہ حضرت عیسیٰ کو بعینہٖ بجسدہ العنصری کسی وقت صدہا برسوں کے بعد پھر زمین پر لے آئیگا۔ اسی طرح اُس نے حضرت موسیٰ کے زمانہ کے یہودیوں کو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں زندہ کر دیا ہو۔ یا اُنکی رُوحوں کو بطور تناسخ پھر دُنیا میں لے آیا ہو جس حالت میں صرف بے بنیاد اقوال کی بناء پر حضرت عیسیٰ کی رُوح کا پھر دُنیا میں آنا تسلیم کیا گیا ہے۔ تو کیوں اور کیا وجہ کہ ان تمام یہودیوں کی روحوں کا دوبارہ بطور تناسخ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آجانا قبول نہ کیا جائے جن کے موجود ہو جانے پر نصوص صریحہ بیّنہ قرآن کریم

[1] بنی اسرآئیل: ۱۶

شاہد ہیں۔ دیکھو خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ[1]۔ یعنی تم وہ وقت یاد کرو جبکہ تم نے نہ کسی اور نے یہ کہا کہ ہم تیرے کہنے پر تو ایمان نہیں لائیں گے جبتک ہم آپ ظاہر ظاہر خدا کو نہ دیکھ لیں اور پھر تم کو بجلی نے پکڑا اور تم دیکھتے تھے۔ اور اس آیت میں ایک اور لطیفہ یہ ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ نے اِس آیت کے مضمون میں موجودہ یہودیوں کو گذشتہ لوگوں کے قائم مقام نہیں ٹھہرایا بلکہ اُنکو فی الحقیقت گذشتہ لوگ ہی ٹھہرا دیا۔ تو اس صورت میں قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے یہودیوں کے وہی نام رکھ دیئے جو اُن گذشتہ بنی اسرائیل کے نام تھے۔ کیونکہ جبکہ یہ لوگ حقیقتاً وہی لوگ قرار دیئے گئے تو یہ لازمی ہوا کہ نام بھی وہی ہوں وجہ یہ کہ نام حقائق کے لئے مثل عوارض غیر منفک کے ہیں اور عوارض لازمیہ اپنے حقائق سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اب خوب متوجہ ہو کر سوچو کہ جبکہ خدا تعالیٰ نے صریح اور صاف لفظوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے ہی ایسے ایسے بُرے کام حضرت موسیٰ کے عہد میں کئے تھے تو پھر ایسی صریح اور کھلی کھلی نص کی تاویل کرنا اور احادیث کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو قرآن کریم کی رُو سے وفات یافتہ ہے پھر زمین پر اُتارنا کیسی بے اعتدالی اور ناانصافی ہے۔ عزیزو! اگر خدا تعالیٰ کی یہی عادت اور سنت ہے کہ گزشتہ لوگوں کو پھر دُنیا میں لے آتا ہے تو نص قرآنی جو بہ تکرار در تکرار گزشتہ لوگوں کو مخاطب کر کے اُن کے زندہ ہونے کی شہادت دے رہی ہے اس سے درگذر کرنا ہرگز جائز نہیں اور اگر وہاں یہ دھڑکہ دل کو پکڑتا ہے کہ ایسے معنے گو خدا تعالیٰ کی قدرت سے تو بعید نہیں لیکن معقول کے برخلاف ہیں۔ اِسلئے تاویل کی طرف رُخ کیا جاتا ہے اور وہ معنے کئے جاتے ہیں جو عند العقل کچھ بعید نہیں ہیں تو پھر ایسا ہی حضرت عیسیٰ کے آنے کی پیشگوئی کے معنے کرنے چاہئیں کیونکہ اگر گذشتہ یہودیوں کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں زندہ ہو جانا یا اگر بطرق

[1] البقرۃ : ۵۶

تناسخ انکی رُوحیں پھر آجانا طریق معقول کے برخلاف ہے تو حضرت مسیح کی نسبت کیونکر دوبارہ دنیا میں آنا تجویز کیا جاتا ہے جنکی وفات پر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ[1] بلند آواز سے شہادت دے رہی ہے کیا یہودیوں کی رُوحوں کا دوبارہ دُنیا میں آنا خدا تعالیٰ کی قدرت سے بعید اور نیز طریق معقول کے برخلاف لیکن حضرت عیسیٰ کا بجسدہ العنصری پھر زمین پر آجانا بہت معقول ہے پھر اگر نصوص بیّنہ صریحہ قرآنیہ کو بباعث استبعاد ظاہری معنوں کے مؤول کرکے طریق صرف عن الظاہر اختیار کیا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ نصوص احادیثیہ کا صرف عن الظاہر جائز نہیں کیا احادیث کی قرآن کریم سے کوئی اعلیٰ شان ہے کہ تا ہمیشہ احادیث کے بیان کو گو کیسا ہی بعید از عقل ہو ظاہر الفاظ پر قبول کیا جائے اور قرآن شریف میں تاویلات بھی کیجائیں پھر ہم اصل کلام کی طرف رجوع کرکے لکھتے ہیں کہ بعض صاحب آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ[2] کی عمومیت سے انکار کرکے کہتے ہیں کہ منکم سے صحابہ ہی مراد ہیں اور خلافتِ راشدہ حقّہ انہیں کے زمانہ تک ختم ہو گئی اور پھر قیامت تک اسلام میں اس خلافت کا نام و نشان نہیں ہوگا۔ گویا ایک خواب و خیال کی طرح اس خلافت کا صرف تیس برس تک ہی دَور تھا اور پھر ہمیشہ کیلئے اسلام ایک لازوال نحوست میں پڑ گیا مگر میں پُوچھتا ہوں کہ کیا کسی نیک دِل انسان کی ایسی رائے ہو سکتی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو یہ اعتقاد رکھے کہ بلاشبہ انکی شریعت کی برکت اور خلافت راشدہ کا زمانہ برابر چودہ سو برس تک رہا لیکن وہ نبی جو افضل الرسل اور خیر الانبیاء کہلاتا ہے اور جسکی شریعت کا دامن قیامت تک ممتد ہے اسکی برکات گویا اسکے زمانہ تک ہی محدود رہیں اور خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ کچھ بہت مدّت تک اسکی برکات کے نمونے اسکے رُوحانی خلیفوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوں ایسی باتوں کو سُنکر تو ہمارا بدن کانپ جاتا ہے مگر افسوس کہ وہ لوگ بھی مسلمان ہی کہلاتے ہیں کہ جو سراسر چالاکی اور بیباکی کی راہ سے ایسے بے ادبانہ الفاظ منہ پر لے آتے ہیں کہ گویا اسلام کی برکات آگے نہیں بلکہ مدّت ہوئی کہ اُن کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

[1] المآئدۃ: ۱۱۸ [2] النور ۵۶

ماسوا اِسکے کہ مِنکُمْ کے لفظ سے یہ استدلال پیدا کرنا کہ چونکہ خطاب صحابہ سے ہے اِسلئے یہ خلافت صحابہ تک ہی محدود ہے عجیب عقلمندی ہے اگر اسی طرح قرآن کی تفسیر ہو تو پھر یہودیوں سے بھی آگے بڑھ کر قدم رکھنا ہے۔ اب واضح ہو کہ مِنکُمْ کا لفظ قرآن کریم میں قریباً بیاسٹھ جگہ آیا ہے اور بجز دو جگہ کے جہاں کوئی خاص قرینہ قائم کیا گیا ہے باقی تمام مواضع میں مِنکُمْ کے خطاب سے وہ تمام مسلمان مُراد ہیں جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

اب نمونہ کے طور پر چند وُہ آیتیں ہم لکھتے ہیں جن میں مِنکُمْ کا لفظ پایا جاتا ہے۔

(۱) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ[۱] یعنے جو تم میں سے مریض یا سفر پر ہو تو اتنے ہی روزے اور رکھ لے۔ اب یہ سوچو کہ کیا یہ حکم صحابہ ہی سے خاص تھا یا اسمیں اور بھی مسلمان جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے شامل ہیں ایسا ہی نیچے کی آیتوں پر بھی غور کرو۔

(۲) ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ[۲] یعنی یہ اُسکو وعظ کیا جاتا ہے جو تم میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے۔

(۳) وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا[۳] یعنی تم میں سے جو جوروئیں چھوڑ کر فوت ہو جائیں

(۴) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[۴]۔ یعنی تم میں سے ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو نیکی کی دعوت کریں اور امر معروف اور نہی عن المنکر اپنا طریق رکھیں۔

(۵) اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى[۵]۔ میں تم میں سے کسی عامل کا عمل ضائع نہیں کروں گا خواہ وُہ مرد ہو یا عورت ہو۔

(۶) لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ[۶] ناجائز طور پر ایک دُوسرے کے مال مت کھاؤ مگر باہم رضامندی کی تجارت سے۔

(۷) وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا[۷] یعنے اگر تم مریض ہو یا سفر پر یا پاخانہ سے

[۱] البقرۃ: ۱۸۵ [۲] البقرۃ: ۲۳۳ [۳] البقرۃ: ۲۳۵ [۴] آل عمران: ۱۰۵ [۵] آل عمران: ۱۹۶
[۶] النساء: ۳۰ [۷] المائدۃ: ۷

آؤ یا عورتوں سے مباشرت کرو اور پانی نہ ملے تو ان سب صورتوں میں پاک مٹی سے تیمم کرو۔
(۸) اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ[۱] یعنے اللہ اور رسول اور اپنے بادشاہوں کی تابعداری کرو۔
(۹) مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[۲] یعنے جو شخص تم میں سے بوجہ اپنی جہالت کے کوئی بدی کرے اور پھر توبہ کرے اور نیک کاموں میں مشغول ہوجائے پس اللہ غفور رحیم ہے۔
(۱۰) فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ[۳]۔ یعنی جو شخص تم سے ایسا کام کرے دُنیا کی زندگی میں اُسکو رسوائی ہوگی اور قیامت کو اُسکے لئے سخت عذاب ہے۔
(۱۱) وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا[۴]۔ یعنی تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دوزخ میں وارد نہ ہو
(۱۲) وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ[۵]۔ یعنی ہم اُن لوگوں کو جانتے ہیں جو تم میں سے آگے بڑھنے والے ہیں اور جو پیچھے رہنے والے ہیں۔
اب ان تمام مقامات کو دیکھو کہ مِنْکُمْ کا لفظ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے خواہ اس وقت موجود تھے خواہ بعد میں قیامت تک آتے جائیں ایسا ہی تمام دوسرے مقامات میں بجز دو تین موضعوں کے عام طور پر استعمال ہؤا ہے اور تمام احکام میں بظاہر صورت مخاطب صحابہ ہی ہیں لیکن تخصیص صحابہ بجز قیام قرینہ کے جائز نہیں۔ ورنہ ہر یک فاسق عذر کرسکتا ہے کہ صوم اور صلوٰۃ اور حج اور تقویٰ اور طہارت اور اجتناب عن المعاصی کے متعلق جس قدر احکام ہیں ان احکام کے مخاطب صرف صحابہ ہی تھے اِسلئے ہمیں نماز روزہ وغیرہ کی پابندی لازم نہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے کلمات بجز ایک زندیق کے اور کوئی خداترس آدمی زبان پر نہیں لاسکتا۔
اگر کسی کے دِل میں یہ خیال گذرے کہ اگر آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فائدہ عموم کا

[۱] النسآء: ۶۰ [۲] الانعام: ۵۵ [۳] البقرۃ: ۸۶ [۴] مریم: ۷۲ [۵] الحجر: ۲۵

دیتی ہے یعنی مقصود اصلی تعمیم تھی نہ تخصیص۔ تو پھر مِنْکُمْ کا لفظ اس جگہ کیوں زیادہ کیا گیا۔
اور اسکی زیادت کی ضرورت ہی کیا تھی صرف اس قدر فرمایا ہوتا کہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ[1]
تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ ان ایمانداروں اور نیکو کاروں کے مقابل پر تھا جو اس اُمّت سے
پہلے گذر چکے ہیں پس گویا تفصیل اِس آیت کی یُوں ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم سے پہلے ان لوگوں کو
رُوئے زمین پر خلیفے مقرر کیا تھا جو ایماندار اور صلح تھے اور اپنے ایمان کے ساتھ اعمال صالح
جمع رکھتے تھے اور خدا تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ تم میں سے بھی اے مسلمانو ایسے لوگوں کو جو ایسی
صفات حسنہ سے موصوف ہوں اور ایمان کے ساتھ اعمال صالح جمع رکھتے ہوں خلیفے کریگا
پس مِنْکُمْ کا لفظ زائد نہیں بلکہ اس سے غرض یہ ہے کہ تا اسلام کے ایمانداروں اور نیکو کاروں
کی طرف اشارہ کرے کیونکہ جبکہ نیکو کار اور ایماندار کا لفظ اِس آیت میں پہلی امتوں اور اِس
اُمّت کے ایمانداروں اور نیکو کاروں پر برابر حاوی تھا پھر اگر کوئی تخصیص کا لفظ نہ ہوتا تو
عبارت رکیک اور مبہم اور دُور از فصاحت ہوتی اور مِنْکُمْ کے لفظ سے یہ جتانا بھی منظور
ہے کہ پہلے بھی وُہی لوگ خلیفے مقرر کئے گئے تھے کہ جو ایماندار اور نیکو کار تھے اور تم میں سے بھی
ایماندار اور نیکو کار ہی مقرر کئے جائینگے۔ اَب اگر آنکھیں دیکھنے کی ہوں تو عام معنی کی رُو سے
مِنْکُمْ کے لفظ کا زائد ہونا کہاں لازم آتا ہے اور تکرار کلام کیونکر ہے جبکہ ایمان اور عمل صالح
اسی اُمّت سے شروع نہیں ہُوا پہلے بھی مومن اور نیکو کار گذرے ہیں تو اِس صورت میں تمیز
کامل بجز مِنْکُمْ کے لفظ کے کیونکر ہو سکتی تھی۔ اگر صرف اِس قدر ہوتا کہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ تو کچھ معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ یہ کن ایمانداروں کا ذکر ہے آیا اس اُمّت
کے ایماندار یا گذشتہ اُمّتوں کے۔ اور اگر صرف مِنْکُمْ ہوتا اور الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
نہ ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ فاسق اور بدکار لوگ بھی خدا تعالیٰ کے خلیفے ہو سکتے ہیں حالانکہ فاسقوں
کی بادشاہت اور حکومت بطور ابتلا کے ہے نہ بطور اصطفا کے۔ اور خدا تعالیٰ کے حقانی خلیفے

[1] النور: ۵۶

خواہ وہ رُوحانی خلیفے ہوں یا ظاہری وہی لوگ ہیں جو متقی اور ایماندار اور نیکوکار ہیں۔

اور یہ وہم کہ عام معنوں کی رُو سے ان آیات کی اخیر کی آیت یعنی وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ[1]۔ بالکل بے معنی ٹھہر جاتی ہے ایسا بیہودہ خیال ہے جو اسپر ہنسی آتی ہے کیونکہ آیت کے صاف اور سیدھے یہ معنی ہیں کہ اللہ جلشانہٗ خلیفوں کے پیدا ہونے کی خوشخبری دیکر پھر باغیوں اور نافرمانوں کو دھمکی دیتا ہے کہ بعد خلیفوں کے پیدا ہونے کے جب وہ وقتاً فوقتاً پیدا ہوں اگر کوئی بغاوت اختیار کرے اور انکی اطاعت اور بیعت سے منہ پھیرے تو وہ فاسق ہے اب نادرستی معنوں کی کہاں ہے اور واضح ہو کہ اس آیت کریمہ سے وہ حدیث مطابق ہے جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةِ۔ جس شخص نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا وہ جاہلیت کی موت مرگیا یعنے جیسے ہر یک زمانہ میں امام پیدا ہونگے اور جو لوگ اُنکو شناخت نہیں کرینگے تو انکی موت کفارہ کی موت کے مشابہ ہوگی اور معترض صاحب کا اس اعتراض کو پیش کرنا کہ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ[2]۔ اور اِس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مِنْكُمْ کا لفظ اِس جگہ خصوصیت کے ساتھ حاضرین کے حق میں آیا ہے ایک بے فائدہ بات ہے کیونکہ ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کا عام محاورہ جس سے تمام قرآن شریف بھرا پڑا ہے یہی ہے کہ خطاب عام ہوتا ہے اور احکام خطابیہ تمام امت کے لئے ہوتے ہیں نہ صرف صحابہ کے لئے۔ ہاں جس جگہ کوئی صریح اور صاف قرینہ تحدید خطاب کا ہو وہ جگہ مستثنیٰ ہے چنانچہ آیت موصوفہ بالا میں خاص حواریوں کے ایک طائفہ نے نزول مائدہ کی درخواست کی اُسی طائفہ کو مخاطب کرکے جواب ملا۔ سو یہ قرینہ کافی ہے کہ سوال بھی اسی طائفہ کا تھا اور جواب بھی اسی کو ملا اور یہ کہنا کہ اسکی مثالیں کثرت سے قرآن شریف میں ہیں بالکل جھوٹ اور دھوکا دینا ہے۔ قرآن شریف میں بیاسی کے قریب لفظ مِنْكُمْ ہے اور چھ سو کے قریب اور اور صورتوں میں خطاب ہے لیکن تمام خطابات احکامیہ وغیرہ میں تعمیم ہے

[1] النور: ۵۶ [2] المائدۃ: ۱۱۶

اگر قرآن کے خطابات صحابہ تک ہی محدود ہوتے تو صحابہ کے فوت ہو جانے کے ساتھ قرآن باطل ہو جاتا اور آیت متنازعہ فیہا جو خلافت کے متعلق ہے درحقیقت اس آیت سے مشابہ ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1]۔ کیا یہ بشریٰ صحابہ سے ہی خاص تھا یا کسی اور کا بھی اس سے حصہ ہے اور معترض کا یہ کہنا کہ جو شخص اصلی معنوں سے جو خصوصیت مخاطبین ہے عدول کر کے اسکے معنے عموم لیوے اُس کا ذمہ ہے کہ وہ دلیل یقینی سے اپنے عدول کو ثابت کرے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف معترض کو قرآن کریم سے بلکہ تمام الٰہی کتابوں کے اسلوب کلام سے کچھ بھی خبر نہیں مشکل یہ ہے کہ اکثر شتاب کار لوگ قبل اس کے جو پورے طور پر غوض کریں اعتراض کرنے کو طیار ہو جاتے ہیں۔ اگر معترض صاحب کو صحیح نیت سے تحقیق کا شوق تھا تو وہ تمام ایسے موقعہ جہاں بظاہر نظر صحابہ مخاطب ہیں جمع کر کے دیکھتے کہ اکثر اغلب اور بلا قیام قرینہ قرآن شریف میں کیا محاورہ ہے کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جو اکثر اغلب محاورہ ثابت ہوگا اُسی کے موافق اصلی معنے ٹھہرینگے اور اُن سے عدول کرنا بغیر قیام قرینہ جائز نہیں ہوگا۔ اب ظاہر ہو کہ اصل محاورہ قرآن کریم کا خطاب حاضرین میں عموم ہے اور قرآن کا چھ سو حکم اسی بناء پر عام سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ صحابہ تک محدود سمجھا جائے۔ پھر جو شخص عام محاورہ سے عدول کر کے کسی حکم کو صحابہ تک ہی محدود رکھے اسکے ذمہ یہ بار ثبوت ہوگا کہ قرائن قویہ سے یہ ثابت کرے کہ یہ خطاب صحابہ سے ہی خاص ہے اور دوسرے لوگ اس سے باہر ہیں مثلاً اللہ جلشانہ قرآن کریم میں بظاہر صحابہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم صرف خدا کی بندگی[1] کرو اور صبر[2] اور صلوٰۃ کے ساتھ مدد چاہو اور پاک[3] چیزوں میں سے کھاؤ اور کسی قسم کا فساد[4] مت کرو۔ اور تم زکوٰۃ[5] اور نماز[6] کو قائم کرو اور مقام ابراہیم[7] سے جائے نماز ٹھہراؤ۔ اور خیرات[8] میں ایک دوسرے سے سبقت کرو اور مجھ[9] کو یاد کرو میں تم کو یاد کرونگا۔ اور میرا شکر[10] کرو۔ اور مجھ[11] سے دعا مانگو اور جو لوگ[12] خدا کی راہ میں شہید ہوں انکو مُردے مت کہو اور جو تم کو سلام[13] علیکم کرے اس کا نام کافر اور بے ایمان نہ رکھو۔ پاک[14] چیزیں زمین کی پیدا وار میں سے کھاؤ

[1] یونس : ۶۵

اور شیطان کی پیروی نہ کرو[15] تم پر روزے[16] فرض کئے گئے ہیں مگر جو تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو وہ
اتنے روزے[17] پھر رکھے۔ تم ایک دوسرے کے مال[18] کو ناحق کے طور پر مت کھاؤ اور تم تقوے[19]
اختیار کرو تا فلاح پاؤ اور تم خدا کی راہ[20] میں ان سے جو تم سے لڑیں لڑو لیکن حد سے مت بڑھو[21]
اور کوئی زیادتی مت[22] کرو کہ خدا زیادتی کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا اور تم خدا[23] کی راہ میں خرچ
کرو اور دانستہ[24] اپنے تئیں ہلاکت میں مت ڈالو اور لوگوں[25] سے احسان کرو کہ خدا محسنین کو
دوست رکھتا ہے اور حج[26] اور عمرہ کو اللہ کے واسطے پورا کرو اور اپنے پاس توشہ[27] رکھو کہ توشہ
میں یہ فائدہ ہے کہ تم کسی دوسرے سے سوال نہیں کرو گے یعنی سوال ایک ذلت ہی اس سے
بچنے کے لئے تدبیر کرنی چاہیئے اور تم صلح[28] اور اسلام میں داخل ہو۔ اور مشرکات[29] سے نکاح مت
کرو جب تک ایمان نہ لاویں اور مشرکین[30] سے اپنی عورتوں کا نکاح مت کرو جب تک ایمان
نہ لاویں اور اپنے[31] نفسوں کے لئے کچھ آگے بھیجو اور خدا تعالیٰ[32] کو اپنی قسموں کا عرضہ مت بناؤ اور
عورتوں[33] کو دکھ دینے کی غرض سے بند مت رکھو اور جو[34] لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور جورُوئیں
رہ جائیں تو وہ چار مہینے اور دس دن نکاح کرنے سے رکی رہیں۔ اگر تم طلاق[35] دو تو عورتوں کو
احسان کے ساتھ رخصت کرو۔ اگر تمہیں خوف[36] ہو تو نماز پیروں سے چلتے چلتے یا سوار ہونے کی
حالت میں پڑھ لو۔ اگر اپنے صدقات[37] لوگوں کو دکھلا کے دو تو یہ عموماً اچھی بات ہے کہ تا لوگ تمہارے
نیک کاموں کی پیروی کریں اور اگر چھپا کر محتاجوں کو دو تو یہ تمہارے نفسوں کیلئے بہتر ہے[38] جب
تم کسی کو قرضہ دو تو ایک نوشت لکھا لو اور قرض[39] ادا کرنے میں خدا سے ڈرو اور کچھ باقی مت رکھو
اور جب[40] تم کوئی خرید و فروخت کرو تو اسپر گواہ رکھ لو۔ اور اگر تم[41] سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے
تو کوئی جائداد قبضہ میں کر لو۔ تم سب[42] ملکر خدا کی رسی سے پنجہ مارو اور باہم پھوٹ مت ڈالو۔ تم میں
سے ایسے[43] بھی ہونے چاہئیں کہ جو امر معروف اور نہی منکر کریں۔ تم خدا[44] کی مغفرت کی طرف دوڑو
اور اگر تم میں سے کسی کی بیوی[45] فوت ہو جائے تو وہ اسکی جائداد میں سے نصف کا مالک ہے بشرطیکہ
اسکی کچھ اولاد نہ ہو اور اگر اولاد[46] ہو تو پھر اسکو چہارم حصہ جائداد بعد عمل بر وصیت پہنچے گا۔

یہ چند احکام بطور نمونہ ہم نے لکھے ہیں اس میں ایک تھوڑی سی عقل کا آدمی بھی سوچ سکتا ہے کہ بظاہر یہ تمام خطاب صحابہ کیطرف ہے لیکن درحقیقت تمام مسلمان ان احکام پر عمل کرنے کے لئے مامور ہیں نہ یہ کہ صرف صحابہ مامور ہیں وبس۔ غرض قرآن کا اصلی اور حقیقی اسلوب جس سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے یہ ہے کہ اسکے خطاب کے مورد حقیقی اور واقعی طور پر تمام وہ مسلمان ہیں جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے گو بظاہر صورت خطاب صحابہ کیطرف راجع معلوم ہوتا ہے پس جو شخص یہ دعوٰی کرے کہ یہ وعدہ یا وعید صحابہ تک ہی محدود ہے وہ قرآن کے عام محاورہ سے عدول کرتا ہے اور جب تک پورا ثبوت اس دعوٰی کا پیش نہ کرے تب تک وہ ایسے طریق کے اختیار کرنے میں ایک ملحد ہے۔ کیا قرآن صرف صحابہ کے واسطے ہی نازل ہوا تھا۔ اگر قرآن کے وعد اور وعید اور تمام احکام صحابہ تک ہی محدود ہیں تو گویا جو بعد میں پیدا ہوئے وہ قرآن سے بکلی بے تعلق ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ۔

اور یہ کہنا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خلافت تیس سال تک ہوگی عجیب فہم ہے جس حالت میں قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ[1] تو پھر اس کے مقابل پر کوئی حدیث پیش کرنا اور اسکے معنی مخالف قرآن قرار دینا معلوم نہیں کہ کس قسم کی سمجھ ہے اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے اُن حدیثوں پر عمل کرنا چاہیئے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے خاصکر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اُسکی نسبت آواز آئیگی کہ هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے لیکن وہ حدیث جو معترض صاحب نے پیش کی ہے علماء کو اُس میں کئی طرح کا جرح ہے اور اسکی صحت میں کلام ہے کیا معترض نے غور نہیں کی جو آخری زمانہ کی نسبت بعض خلیفوں کے ظہور کی خبریں دیگئی ہیں کہ حارث آئیگا مہدی آئیگا۔ آسمانی خلیفہ آئیگا۔ یہ خبریں حدیثوں میں ہیں یا کسی اور کتاب میں۔ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زمانے تین ہیں۔

[1] الواقعۃ : ۴۰-۴۱

اوّل خلافت راشدہ کا زمانہ۔ پھر فیج اعوج جس میں ملک عضوض ہونگے اور بعد اسکے آخری زمانہ جو زمانہ نبوت کے نہج پر ہوگا۔ یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت کا اوّل زمانہ اور پھر آخری زمانہ باہم بہت ہی متشابہ ہیں اور یہ دونوں زمانے اس بارش کی طرح ہیں جو ایسی خیر و برکت سے بھری ہوئی ہو کہ کچھ معلوم نہیں کہ برکت اسکے پہلے حصّہ میں زیادہ ہے یا پچھلے میں۔

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ اللہ جلّشانہ، قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ[1]۔ یعنی ہم نے ہی اس کتاب کو اُتارا اور ہم ہی اس تنزیل کی محافظت کرینگے اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ کلام ہمیشہ زندہ رہیگا اور اسکی تعلیم کو تازہ رکھنے والے اور اُسکا نفع لوگوں کو پہنچانے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور اگر یہ سوال ہو کہ قرآن کے وجود کا فائدہ کیا ہے جس فائدہ کے وجود پر اسکی حقیقی حفاظت موقوف ہے تو اس دوسری آیت سے ظاہر ہے ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ[2]۔ اِس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے بڑے فائدے دو ہیں جن کے پہنچانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔

ایک حکمت فرقان یعنی معارف و دقائق قرآن۔ دُوسری تاثیر قرآن جو موجب تزکیہ نفوس ہے اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اسکے صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے یہانتک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے تھے۔ بلکہ اس جگہ مع حفاظت ظاہری حفاظت فوائد و تاثیرات قرآنی مراد ہے اور وہ موافق سنت اللہ کے تبھی ہو سکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آویں جن میں ظلّی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جنکو وہ تمام برکات دیگئی ہوں جو نبیوں کو دیجاتی ہوں جیسا کہ ان آیات میں اسی امر عظیم کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ

[1] الحجر: ۱۰ [2] الجمعۃ: ۳

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ [1]

پس یہ آیت درحقیقت اِس دُوسری آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ [2] کے لئے بطور تفسیر کے واقعہ ہے اور اس سوال کا جواب دے رہی ہے کہ حفاظتِ قرآن کیونکر اور کس طور سے ہوگی۔ سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اِس نبی کریم کے خلیفے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہونگا اور خلیفہ کے لفظ کو اشارہ کیلئے اختیار کیا گیا کہ وُہ نبی کے جانشین ہونگے اور اسکی برکتوں میں سے حصّہ پائینگے جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا۔ اور اُنکے ہاتھ سے برجائی دین کی ہوگی اور خوف کے بعد امن پَیدا ہوگا یعنے ایسے وقتوں میں آئینگے کہ جب اسلام تفرقہ میں پڑا ہوگا۔ پھر انکے آنیکے بعد جو اُن سے سرکش رہیگا وہی لوگ بدکار اور فاسق ہیں۔ یہ اس بات کا جواب ہے کہ بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم پر اولیاء کا ماننا فرض ہے۔ سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک فرض ہے اور اُن سے مخالفت کرنے والے فاسق ہیں اگر مخالفت پر ہی مریں۔

اِس جگہ معترض صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ [3] اور پھر اعتراض کیا ہے کہ جبکہ دین کمال کو پہنچ چکا ہے اور نعمت پُوری ہو چکی تو پھر نہ کسی مجدّد کی ضرورت ہے نہ کسی نبی کی مگر افسوس کہ معترض نے ایسا خیال کر کے خود قرآن کریم پر اعتراض کیا ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس اُمّت میں خلیفوں کے پَیدا ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے اور فرمایا ہے کہ اُن کے وقتوں میں دین استحکام پکڑیگا اور تزلزل اور تذبذب دُور ہوگا۔ اور خوف کے بعد امن پَیدا ہوگا۔ پھر اگر تکمیل دین کے بعد کوئی بھی کارروائی درست نہیں تو بقول معترض کے جو تیس سال کی خلافت ہے وُہ بھی باطل ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ جب دین کامل ہو چکا تو پھر کسی دُوسرے کی ضرورت نہیں۔ لیکن افسوس کہ معترض بے خبر نے ناحق آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کو پیش کر دیا۔ ہم کب کہتے ہیں کہ مجدّد اور محدّث دُنیا میں آکر دین میں سے کچھ کم کرتے ہیں یا زیادہ کرتے ہیں بلکہ ہمارا تو یہ قول ہے کہ ایک زمانہ

[1] النور: ۵۶ [2] الحجر: ۱۰ [3] المائدۃ: ۴

گذرنے کے بعد جب پاک تعلیم پر خیالاتِ فاسدہ کا ایک غبار پڑ جاتا ہے اور حق خالص کا چہرہ چھپ جاتا ہے۔ تب اُس خوبصورت چہرہ کو دکھلانے کے لئے مجدد اور محدث اور رُوحانی خلیفے آتے ہیں نہ معلوم کہ بیچارہ معترض نے کہاں سے اور کس سے سُن لیا کہ مجدد اور رُوحانی خلیفے دُنیا میں آکر دین کی کچھ ترمیم و تنسیخ کرتے ہیں۔ نہیں وہ دین کو منسوخ کرنے نہیں آتے بلکہ دین کی چمک اور روشنی دکھلانے کو آتے ہیں اور معترض کا یہ خیال کہ اُنکی ضرورت ہی کیا ہے صرف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ معترض کو اپنے دین کی پروا نہیں اور کبھی اس نے غور نہیں کی کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسلام کی ترقی کس کو کہتے ہیں اور حقیقی ترقی کیونکر اور کن راہوں سے ہو سکتی ہے اور کس حالت میں کسی کو کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر مسلمان ہے یہی وجہ ہے کہ معترض صاحب اِس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن موجود ہے اور علماء موجود ہیں اور خود بخود اکثر لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف حرکت ہے پھر کسی مجدد کی کیا ضرورت ہے لیکن افسوس کہ معترض کو یہ سمجھ نہیں کہ مجددوں اور رُوحانی خلیفوں کی اس اُمّت میں ایسے ہی طور سے ضرورت ہے جیسا کہ قدیم سے انبیاء کی ضرورت پیش آتی رہی ہے اِس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی مرسل تھے اور انکی توریت بنی اسرائیل کی تعلیم کے لئے کامل تھی اور جس طرح قرآن کریم میں آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ[1] ہے اسی طرح توریت میں بھی آیات ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دی گئی ہے جس کا نام توریت ہے چنانچہ قرآن کریم میں بھی توریت کی یہی تعریف ہے لیکن باوجود اس کے بعد توریت کے صدہا ایسے نبی بنی اسرائیل میں سے آئے کہ کوئی نئی کتاب اُنکے ساتھ نہیں تھی بلکہ اُن انبیاء کے ظہور کے مطالب یہ ہوتے تھے کہ تا اُنکے موجودہ زمانہ میں جو لوگ تعلیم توریت سے دُور پڑ گئے ہوں پھر اُنکو توریت کے اصلی منشاء کی طرف کھینچیں۔ اور جن کے دِلوں میں کچھ شکوک اور دہریت اور بے ایمانی ہو گئی ہو اُنکو پھر زندہ ایمان بخشیں چنانچہ اللہ جلّشانہ، خود قرآن کریم میں فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ[1] یعنی موسیٰ کو ہم نے توریت دی اور پھر اس کتاب کے بعد ہم نے کئی پیغمبر بھیجے تا توریت کی تائید اور تصدیق کریں۔ اسی طرح دُوسری جگہ فرماتا ہے ثُمَّ اَرْسَلْنَا

[1] البقرۃ: ۸۸

رُسُلَنَا تَتْرًا یعنی پھر پیچھے سے ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔ پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیجکر پھر اُسکی تائید اور تصدیق کیلئے ضرور انبیاء کو بھیجا کرتا ہے چنانچہ توریت کی تائید کیلئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا۔ جن کے آنے پر اب تک بائیبل شہادت دے رہی ہے۔

اس کثرت ارسال رسل میں اصل بھید یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے یہ عہد مؤکد ہو چکا ہے کہ جو اُسکی سچی کتاب کا انکار کرے تو اُسکی سزا دائمی جہنم ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ[۲]۔ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وُہ جہنمی ہیں اور اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اب جبکہ سزائے انکار کتاب الہٰی میں ایسی سخت تھی اور دوسری طرف یہ مسئلہ نبوت اور وحی الہٰی کا نہایت دقیق تھا بلکہ خود خدا تعالیٰ کا وجود بھی ایسا دقیق در دقیق تھا کہ جب تک انسان کی آنکھ خدا داد نور سے منوّر نہ ہو ہرگز ممکن نہ تھا کہ سچّی اور پاک معرفت اس کی حاصل ہو سکے چہ جائیکہ اس کے رسولوں کی معرفت اور اس کی کتاب کی معرفت حاصل ہو۔ اِس لئے رحمانیت الہٰی نے تقاضا کیا کہ اندھی اور نابینا مخلوق کی بہت ہی مدد کیجائے اور صرف اسپر اکتفا نہ کیا جائے کہ ایک مرتبہ رسول اور کتاب بھیجکر پھر باوجود امتداد ازمنہ طویلہ کے ان عقائد کے انکار کی وجہ سے جنکو بعد میں آنیوالے زیادہ اِس سے سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ایک پاک اور عمدہ منقولات ہیں ہمیشہ کی جہنّم میں منکروں کو ڈال دیا جائے۔ اور درحقیقت سوچنے والے کے لئے یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ وہ خدا جس کا نام رحمٰن اور رحیم ہے اتنی بڑی سزا دینے کے لئے کیونکر یہ قانون اختیار کر سکتا ہے کہ بغیر پُورے طور پر اتمام حجت کے مختلف بلاد کے ایسے لوگوں کو جنہوں نے صدہا برسوں کے بعد قرآن اور رسول کا نام سُنا اور پھر وہ عربی سمجھ نہیں سکتے۔ قرآن کی خوبیوں کو دیکھ نہیں سکتے دائمی جہنم میں ڈال دے۔ اور کس انسان کی کانشنس اِس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بغیر اسکے کہ قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا اسپر ثابت کیا جائے

[۱] المومنون: ۴۵ [۲] البقرۃ: ۴۰

یونہی اُس پر چھری پھیر دی جائے پس یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا تا وہ ظلّی طور پر انوارِ نبوت پاکر دنیا کو ملزم کریں۔ اور قرآن کریم کی خوبیاں اور اسکی پاک برکات لوگوں کو دکھلاویں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہر ایک زمانہ کے لئے اتمام حجت بھی مختلف رنگوں سے ہوا کرتا ہے اور مجدّد وقت اُن قوتوں اور ملکوں اور کمالات کے ساتھ آتا ہے جو موجودہ مفاسد کا اصلاح پانا ان کمالات پر موقوف ہوتا ہے سو ہمیشہ خدا تعالیٰ اسی طرح کرتا رہیگا جب تک کہ اسکو منظور ہے کہ آثار رشد اور اصلاح کے دنیا میں باقی رہیں اور یہ باتیں بے ثبوت نہیں بلکہ نظائر متواترہ اسکے شاہد ہیں اور مختلف بلاد کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں کو چھوڑ کر اگر صرف بنی اسرائیل کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں پر ہی نظر ڈالی جائے تو اُنکی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں یعنے حضرت موسٰی سے حضرت مسیح تک ہزار ہا نبی اور محدث اُن میں پیدا ہوئے جو خادموں کی طرح کمربستہ ہو کر توریت کی خدمت میں مصروف رہے۔ چنانچہ اُن تمام بیانات پر قرآن شاہد ہی اور بائبل شہادت دے رہی ہے اور وہ نبی کوئی نئی کتاب نہیں لاتے تھے کوئی نیا دین نہیں سکھاتے تھے صرف توریت کے خادم تھے اور جب بنی اسرائیل میں دہریت اور بے ایمانی اور بدچلنی اور سنگدلی پھیل جاتی تھی تو ایسے وقتوں میں وہ ظہور کرتے تھے۔ اب کوئی سوچنے والا سوچے کہ جس حالت میں موسیٰؑ کی ایک محدود شریعت کیلئے جو زمین کی تمام قوموں کے لئے نہیں تھی اور نہ قیامت تک اُس کا دامن پھیلا ہوا تھا خدا تعالیٰ نے یہ احتیاطیں کیں کہ ہزار ہا نبی اس شریعت کی تجدید کیلئے بھیجے اور بار ہا آنیوالے نبیوں نے ایسے نشان دکھلائے کہ گویا بنی اسرائیل نے نئے سرے خدا کو دیکھ لیا تو پھر یہ اُمت جو خیر الامم کہلاتی ہی اور خیر الرسل صلّی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹک رہی ہے کیونکر ایسی بدقسمت سمجھی جائے کہ خدا تعالیٰ نے صرف تیس برس اس کیطرف نظر رحمت کرکے اور آسمانی انوار دکھلا کر پھر اُس سے مُنہ پھیر لیا اور پھر اس اُمت پر اپنے نبی کریم کی مفارقت میں صدہا برس گذرے اور ہزارہا طور کے فتنے پڑے اور بڑے بڑے زلزلے آئے اور انواع و اقسام کی دجالیت پھیلی اور ایک جہان نے دین متین پر

حملے کئے اور تمام برکات اور معجزات سے انکار کیا گیا اور مقبول کو نامقبول ٹھہرایا گیا لیکن خدا تعالیٰ نے پھر کبھی نظر اُٹھا کر اس اُمت کی طرف نہ دیکھا اور اسکو کبھی اس امت پر رحم نہ آیا اور کبھی اسکو یہ خیال نہ آیا کہ یہ لوگ بھی تو بنی اسرائیل کی طرح انسان ضعیف البنیان ہیں اور یہودیوں کی طرح اُنکے پودے بھی آسمانی آبپاشی کے ہمیشہ محتاج ہیں۔ کیا اُس کریم خدا سے ایسا ہو سکتا ہے جسنے اُس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے مفاسد کے دُور کرنے کیلئے بھیجا تھا کیا ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ پہلی امتوں پر تو خدا تعالیٰ کا رحم تھا اسلئے اُسنے توریت کو بھیجکر پھر ہزارہا رسول اور محدث توریت کی تائید کیلئے اور دلوں کو بار بار زندہ کرنے کے لئے بھیجے۔ لیکن یہ اُمت مورد غضب تھی اسلئے اُسنے قرآن کریم کو نازل کر کے ان سب باتوں کو بھلا دیا اور ہمیشہ کیلئے علماء کو اُنکی عقل اور اجتہاد پر چھوڑ دیا اور حضرت موسیٰ کی نسبت تو صاف فرمایا وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا۔[1] یعنی خدا موسیٰ سے ہمکلام ہوا اور اس کی تائید اور تصدیق کے لئے رسول بھیجے جو مبشر اور منذر تھے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے اور نبیوں کا مسلسل گروہ دیکھ کر توریت پر دلی صدق سے ایمان لاویں۔ اور فرمایا وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ[2] یعنے ہم نے بہت سے رسول بھیجے اور بعض کا تو ہم نے ذکر کیا اور بعض کا ذکر بھی نہیں کیا۔ لیکن دین اسلام کے طالبوں کیلئے وہ انتظام نہ کیا۔ گویا جو رحمت اور عنایت باری حضرت موسیٰ کی قوم پر تھی وہ اس اُمت پر نہیں ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ امتداد زمانہ کے بعد پہلے معجزات اور کرامات قصہ کے رنگ میں ہو جاتے ہیں اور پھر آنیوالی نسلیں اپنے گروہ کو ہر یک امر خارق عادت سے بے بہرہ دیکھ کر آخر گذشتہ معجزات کی نسبت شک پیدا کرتی ہیں پھر جس حالت میں بنی اسرائیل کے ہزارہا انبیاء کا نمونہ آنکھوں کے سامنے ہے تو اس سے اور بھی بیدلی اس امت کو پیدا ہوگی اور اپنے تئیں بدقسمت پاکر بنی اسرائیل کو رشک کی نگہ سے دیکھیں گے یا بدخیالات میں گرفتار ہو کر اُنکے قصوں کو بھی صرف افسانجات

[1] النساء: ۱۶۵-۱۶۶ [2] النساء: ۱۶۵

خیال کرینگے اور یہ قول کہ پہلے اس سے ہزارہا انبیاء ہو چکے اور معجزات بھی بکثرت ہوئے اِسلئے اِس اُمت کو خوارق اور کرامات اور برکات کی کچھ ضرورت نہیں تھی لہذا خدا تعالیٰ نے انکو سب باتوں سے محروم رکھا۔ یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں جنہیں وہ لوگ منہ پر لاتے ہیں جنکو ایمان کی کچھ پروا نہیں ورنہ انسان نہایت ضعیف اور ہمیشہ تقویت ایمان کا محتاج ہے اور اس راہ میں اپنے خود ساختہ دلائل کبھی کام نہیں آسکتے۔ جب تک تازہ طور پر معلوم نہ ہو کہ خدا موجود ہے ہاں جھوٹا ایمان جو بدکاریوں کو روک نہیں سکتا نقلی اور عقلی طور پر قایم رہ سکتا ہے اور اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ دین کی تکمیل اِس بات کو مستلزم نہیں جو اسکی مناسب حفاظت سے بکلی دستبردار ہو جائے مثلاً اگر کوئی گھر بناوے اور اُسکے تمام کمرے سلیقہ سے طیار کرے اور اسکی تمام ضرورتیں جو عمارت کے متعلق ہیں باحسن وجہ پوری کر دیوے اور پھر مدت کے بعد اندھیریاں چلیں اور بارشیں ہوں اور اس گھر کے نقش و نگار پر گرد و غبار بیٹھ جائے اور اسکی خوبصورتی چھپ جاوے اور پھر اُس کا کوئی وارث اُس گھر کو صاف اور سفید کرنا چاہے مگر اُسکو منع کر دیا جاوے کہ گھر تو مکمل ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ منع کرنا سراسر حماقت ہے۔ افسوس کہ ایسے اعتراضات کرنے والے نہیں سوچتے کہ تکمیل شئ دیگر ہے اور وقتاً فوقتاً ایک مکمل عمارت کی صفائی کرنا یہ اور بات ہے۔ یہ یاد رہے کہ مجدد لوگ دین میں کچھ کمی بیشی نہیں کرتے ہاں گمشدہ دین کو پھر دلوں میں قائم کرتے ہیں اور یہ کہنا کہ مجددوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں خدا تعالیٰ کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ [1]۔ یعنے بعد اس کے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص ان کا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے۔

اب خلاصہ اس تمام تقریر کا کسی قدر اختصار کے ساتھ ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دلائل مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت میں فساد اور فتنوں کے وقتوں میں ایسے مصلح آتے رہیں جنکو انبیاء کے کئی کاموں میں سے یہ ایک کام سپرد ہو کہ وہ دین حق کیطرف دعوت کریں اور ہر یک بدعت جو دین سے مل گئی ہو۔

[1] النور: ۵۶

اُسکو دُور کریں اور آسمانی روشنی پاکر دین کی صداقت ہریک پہلو سے لوگوں کو دکھلاویں اور اپنے پاک نمونہ سے لوگوں کو سچائی اور محبّت اور پاکیزگی کیطرف کھینچیں اور وہ دلائل یہ ہیں۔

اوّل یہ کہ اس بات کو عقل ضروری تجویز کرتی ہے کہ چونکہ الٰہیات اور امور معاد کے مسائل نہائت باریک اور نظری ہیں گویا تمام امور غیر مرئی اور فوق العقل پر ایمان لانا پڑتا ہے نہ خدا تعالیٰ کبھی کسی کو نظر آیا نہ کبھی کسی نے بہشت دیکھی اور نہ دوزخ کا ملاحظہ کیا اور نہ ملائک سے ملاقات ہوئی۔ اور علاوہ اسکے احکام الٰہی مخالف جذباتِ نفس ہیں اور نفس امّارہ جن باتوں میں لذّت پاتا ہے احکام الٰہی اُن سے منع کرتے ہیں لہذا عند العقل یہ بات نہ صرف احسن بلکہ واجب ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک نبی جو شریعت اور کتاب لیکر آتے ہیں اور اپنے نفس میں تاثیر اور قوت قدسیہ رکھتے ہیں یا تو وہ ایک لمبی عمر لیکر آویں اور ہمیشہ اور ہر صدی میں ہر یک اپنی نئی اُمّت کو اپنی ملاقات اور صحبت سے شرف بخشیں اور اپنے زیر سایہ رکھ کر اور اپنے پُر فیض پروں کے نیچے اُنکو لیکر وُہ برکت اور نور اور رُوحانی معرفت پہنچاویں جو اُنھوں نے ابتدا زمانہ میں پہنچائی تھی اور اگر ایسا نہیں تو پھر اُنکے وارث جو اُنھیں کے کمالات اپنے اندر رکھتے ہوں اور کتاب الٰہی کے دقائق اور معارف کو وحی اور الہام سے بیان کر سکتے ہوں اور منقولات کو مشہودات کے پیرایہ میں دکھلا سکتے ہوں اور طالب حق کو یقین تک پہنچا سکتے ہوں ہمیشہ فتنہ اور فساد کے وقتوں میں ضرور پیدا ہونے چاہیئے تا انسان جو مغلوب شبہات و نسیان ہے اُن کے فیض حقیقی سے محروم نہ رہے۔ کیونکہ یہ بات نہائت صاف اور بدیہی ہے کہ جب زمانہ ایک نبی کا اپنے خاتمہ کو پہنچتا ہے اور اُس کی برکات کے دیکھنے والے فوت ہو جاتے ہیں تو وہ تمام مشہودات منقولات کے رنگ میں آجاتے ہیں۔ پھر دُوسری صدی کے لوگوں کی نظر میں اس نبی کے اخلاق اور اس نبی کے عبادات اور اس نبی کا صبر اور استقامت اور صدق اور صفا اور وفا اور تمام تائیدات الٰہیہ اور خوارق اور معجزات جن سے اُسکی صحت نبوت اور صداقت دعویٰ پر استدلال ہوتے تھے نئی صدی کے لوگوں کو کچھ قصّے سے معلوم ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ انشراح ایمانی اور جوش اطاعت جو نبی کے دیکھنے والوں میں ہوتا ہے دُوسروں میں وُہ بات پائی نہیں جاتی اور صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ

صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمانی صدق دکھلایا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنی آبروؤں کو اسلام کی راہوں میں نہایت اخلاص سے قربان کیا اُس کا نمونہ اور صدیوں میں تو کجا خود دوسری صدی کے لوگوں یعنی تابعین میں بھی نہیں پایا گیا اسکی کیا وجہ تھی؟ یہی تو تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُس مرد صادق کا مُنہ دیکھا تھا جسکے عاشق اللہ ہونے کی گواہی کفار قریش کے مُنہ سے بھی بے ساختہ نکل گئی اور روز کی مناجاتوں اور پیار کے سجدوں کو دیکھ کر اور فنا فی الاطاعت کی حالت اور کمال محبت اور دلدادگی کے مُنہ پر روشن نشانیاں اور اس پاک مُنہ پر نور الٰہی برستا مشاہدہ کرکے کہتے تھے عشق محمّد علیٰ ربّہٖ کہ محمدؐ اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے اور پھر صحابہ نے صرف وہ صدق اور محبّت اور اخلاص ہی نہیں دیکھا بلکہ اس پیار کے مقابل پر جو ہمارے سیّد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے ایک دریا کی طرح جوش مارتا تھا خدا تعالیٰ کے پیار کو بھی تائیدات خارق عادت کے رنگ میں مشاہدہ کیا تب اُنکو پتہ لگ گیا کہ خدا ہے اور اُنکے دل بول اُٹھے کہ وہ خدا اس مرد کے ساتھ ہے۔ اُنھوں نے اِس قدر عجائبات الٰہیہ دیکھے اور اس قدر نشان آسمانی مشاہدہ کئے کہ اُنکو کچھ بھی اِس بات میں شک نہ رہا کہ فی الحقیقت ایک اعلیٰ ذات موجود ہے جسکا نام خدا ہے اور جسکے قبضۂ قدرت میں ہر یک امر ہے اور جس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں اسی وجہ سے انہوں نے وہ کام صدق و صفا کے دکھلائے اور وہ جانفشانیاں کیں کہ انسان کبھی کر نہیں سکتا۔ جب تک اسکے تمام شک و شبہ دُور نہ ہو جائیں اور انہوں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ وہ ذات پاک اسی میں راضی ہے کہ انسان اسلام میں داخل ہو اور اس کے رسول کریم کی بدل وجان متابعت اختیار کرے تب اس حق الیقین کے بعد جو کچھ انہوں نے متابعت دکھلائی اور جو کچھ انہوں نے متابعت کے جوش سے کام کئے اور جس طرح پر اپنی جانوں کو اپنے برگزیدہ ہادی کے آگے پھینک دیا یہ وہ باتیں ہیں کہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ انسان کو حاصل ہو سکیں جبتک کہ وہی بہار اسکی نظر کے سامنے نہ ہو جو صحابہ پر آئی تھی اور جبکہ ان کمالات کو پیدا کرنا بغیر وجود ان وسائل کے محالات میں سے ہے اور نجات کا یقینی طور پر حاصل ہونا بھی بغیر ذریعہ ان کمالات کے از قبیل محال

تو ضروری ہوا کہ وہ خداوند کریم جس نے ہر ایک کو نجات کیلئے بلایا ہے ایسا ہی انتظام ہر یک صدی کیلئے رکھے تا اُسکے بندے کسی زمانہ میں حق الیقین کے مراتب سے محروم نہ رہیں۔

اور یہ کہنا کہ ہمارے لئے قرآن اور احادیث کافی ہیں اور صحبت صادقین کی ضرورت نہیں یہ خود مخالفت تعلیم قرآن ہے کیونکہ اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے **وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ**[1] اور صادق وہ ہیں جنہوں نے صدق کو علیٰ وجہ البصیرت شناخت کیا اور پھر اسپر دل و جان سے قائم ہوگئے اور یہ اعلیٰ درجہ بصیرت کا بجز اسکے ممکن نہیں کہ سماوی تائید شامل حال ہو کر اعلیٰ مرتبہ حق الیقین تک پہنچا دیوے۔ پس ان معنوں کرکے صادق حقیقی انبیاء اور رسل اور محدث اور اولیاء کاملین مکملین ہیں جنپر آسمانی روشنی پڑی اور جنہوں نے خدا تعالیٰ کو اسی جہان میں یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیا اور آیت موصوفہ بالا بطور اشارت ظاہر کر رہی ہے کہ دنیا صادقوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی کیونکہ دوام حکم كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ دوام وجود صادقین کو مستلزم ہے۔

علاوہ اس کے مشاہدہ صاف بتلا رہا ہے کہ جو لوگ صادقوں کی صحبت سے لاپروا ہو کر عمر گذارتے ہیں اُنکے علوم و فنون جسمانی جذبات سے اُن کو ہرگز صاف نہیں کر سکتے اور کم سے کم اتنا ہی مرتبہ اسلام کا کہ دلی یقین اس بات پر ہو کہ خدا ہے اُنکو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور جس طرح وہ اپنی اس دولت پر یقین رکھتے ہیں جو انکے صندوقوں میں بند ہو یا اپنے ان مکانات پر جو انکے قبضہ میں ہوں ہرگز انکو ایسا یقین خدا تعالیٰ پر نہیں ہوتا وہ سم الفار کھانے سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ ایک زہر مہلک ہے لیکن گناہوں کی زہر سے نہیں ڈرتے حالانکہ ہر روز قرآن میں پڑھتے ہیں إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ[2] پس سچ تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا وہ قرآن کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن ہدایت کیلئے نازل ہوا ہے مگر قرآن کی ہدایتیں اس شخص کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں جسپر قرآن نازل ہوا یا وہ شخص جو منجانب اللہ اس کا قائم مقام ٹھہرایا گیا اگر قرآن

[1] التوبۃ ۱۱۹ [2] طٰہٰ : ۷۵

اکیلا ہی کافی ہوتا تو خدا تعالیٰ قادر تھا کہ قدرتی طور پر درختوں کے پتوں پر قرآن لکھا جاتا یا لکھا لکھایا آسمان سے نازل ہو جاتا مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ قرآن کو دُنیا میں نہیں بھیجا جب تک معلّم القرآن دُنیا میں نہیں بھیجا گیا۔ قرآن کریم کو کھول کر دیکھو کتنے مقام میں اس مضمون کی آیتیں ہیں کہ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ [1] یعنے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور قرآنی حکمت لوگوں کو سکھلاتا ہے اور پھر ایک جگہ اور فرماتا ہے وَلَا یَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ [2] یعنے قرآن کے حقائق و دقائق اُنہیں پر کھلتے ہیں جو پاک کئے گئے ہیں۔ پس ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کیلئے ایک ایسے معلّم کی ضرورت ہے جسکو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اگر قرآن کے سیکھنے کیلئے معلّم کی حاجت نہ ہوتی تو ابتدائے زمانہ میں بھی نہ ہوتی۔ اور یہ کہنا کہ ابتدا میں تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلّم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہو گئیں تو اب کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حل شدہ بھی ایک مدّت کے بعد پھر قابل حل ہو جاتی ہیں ماسوا اسکے اُمّت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات بھی تو پیش آتی ہیں اور قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اسکے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال اُن مشکلات کو حل کرنیوالے رُوحانی معلّم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رُسل ہوتے ہیں اور ظلّی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں اور جس مجدّد کی کارروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کارروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عند اللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اب نئے معلّموں کی اس وجہ سے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ بعض حصے تعلیم قرآن شریف کے از قبیل حال ہیں نہ از قبیل قال۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلے معلّم اور اصل وارث اس تخت کے ہیں حالی طور پر اُن دقائق کو اپنے صحابہؓ کو سمجھایا ہے مثلاً خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ میں عالم الغیب ہوں اور مَیں مجیب الدعوات ہوں اور مَیں قادر ہوں اور مَیں دُعاؤں کو قبول کرتا ہوں اور طالبوں کو حقیقی رُوشنی تک پہنچاتا ہوں اور مَیں اپنے صادق بندوں کو الہام دیتا ہوں اور جسپر چاہتا ہوں

[1] الجمعۃ: ۳ [2] الواقعۃ: ۸۰

اپنے بندوں میں سے اپنی رُوح ڈالتا ہوں یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جبتک معلم خود ان کا نمونہ بنکر نہ دکھلاوے تب تک یہ کسی طرح سمجھ ہی نہیں آسکتیں پس ظاہر ہے کہ صرف ظاہری علماء خود اندھے ہیں ان تعلیمات کو سمجھا نہیں سکتے بلکہ وہ تو اپنے شاگردوں کو ہر وقت اسلام کی عظمت سے بدظن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں اور انکے ایسے بیانات سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا اسلام اب زندہ مذہب نہیں اور اسکی حقیقی تعلیم پانے کیلئے اب کوئی بھی راہ نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے لئے یہ ارادہ ہے کہ وہ ہمیشہ قرآن کریم کے چشمہ سے اُنکو پانی پلاوے تو بیشک وُہ اپنے اُن قوانین قدیمہ کی رعائیت کریگا جو قدیم سے کرتا آیا ہے۔ اور اگر قرآن کی تعلیم صرف اسی حد تک محدود ہے جس حد تک ایک تجربہ کار اور لطیف الفکر فلاسفر کی تعلیم محدود ہو سکتی ہے اور آسمانی تعلیم جو محض حال کے نمونہ سے سمجھائی جاتی ہے اس میں نہیں تو پھر نعوذ باللہ قرآن کا آنا لاحاصل ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی ایک دم کے واسطے بھی اس مسئلہ میں فکر کرے کہ انبیاء کی تعلیم اور حکیموں کی تعلیم میں بصورت فرض کرنے صحت ہر دو تعلیم کے مابہ الامتیاز کیا ہے تو بجز اسکے اور کوئی مابہ الامتیاز قرار نہیں دے سکتا کہ انبیاء کی تعلیم کا بہت سا حصّہ فوق العقل ہے جو بجز حالی تفہیم اور تعلیم کے اور کسی راہ سے سمجھ ہی نہیں آسکتا۔ اور اِس حصّہ کو وُہی لوگ دلنشین کراسکتے ہیں جو صاحب حال ہوں مثلاً ایسے ایسے مسائل کہ اس طرح پر فرشتے جان نکالتے ہیں اور پھر یُوں آسمان پر لیجاتے ہیں اور پھر قبر میں حساب اِس طور سے ہوتا ہے اور بہشت ایسا ہے اور دوزخ ایسا۔ اور پل صراط ایسا۔ اور عرش اللہ کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں اور پھر قیامت کو آٹھ اُٹھائیں گے۔ اور اِس طرح پر خدا اپنے بندوں پر وحی نازل کرتا ہے یا مکاشفات کا دروازہ اُنپر کھولتا ہے یہ تمام حالی تعلیم ہے اور مجرد قیل و قال سے سمجھ نہیں آسکتی اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر میں دوبارہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ جلشانہٗ نے اپنے بندوں کے لئے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اسکی کتاب کا یہ حصّہ تعلیم ابتدائی زمانہ تک محدود نہ رہے تو بیشک اس نے یہ بھی انتظام کیا ہوگا کہ اس حصہ تعلیم کے معلّم بھی ہمیشہ آتے رہیں کیونکہ حصہ حالی تعلیم کا بغیر توسط

اُن معلموں کے جو مرتبہ عال پر پہنچ گئے ہوں ہرگز سمجھ نہیں آسکتا اور دُنیا ذری ذری بات پر ٹھوکریں کھاتی ہے پس اگر اسلام میں بعد آنحضرت صلعم ایسے معلم نہیں آئے جن میں ظلی طور پر نورِ نبوت تھا تو گویا خدا تعالیٰ نے عمداً قرآن کو ضائع کیا کہ اسکے حقیقی اور واقعی طور پر سمجھنے والے بہت جلد دُنیا سے اُٹھالئے مگر یہ بات اسکے وعدہ کے برخلاف ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ[1]۔ یعنی ہم نے ہی قرآن اُتارا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرتے رہیں گے۔ اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر قرآن کے سمجھنے والے ہی باقی نہ رہے اور اسپر یقینی اور حالی طور پر ایمان لانیوالے زاویہ عدم میں مختفی ہو گئے تو پھر قرآن کی حفاظت کیا ہوئی۔ کیا حفاظت سے یہ حفاظت مراد ہے کہ قرآن بہت سے خوشخط نسخوں میں تحریر ہو کر قیامت تک صندوقوں میں بند رہیگا جیسے بعض مدفون خزانے کو کسی کے کام نہیں آتے مگر زمین کے نیچے محفوظ پڑے رہتے ہیں کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت سے خدا تعالیٰ کا یہی منشاء ہے۔ اگر یہی منشاء ہے تو ایسی حفاظت کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ یہ تو ہنسی کی بات ہے اور ایسی حفاظت کا مُنہ پر لانا دشمنوں سے ٹھٹھا کرانا ہے کیونکہ جبکہ علت غائی مفقود ہو تو ظاہری حفاظت سے کیا فائدہ۔ ممکن ہے کہ کسی گڑھے میں کوئی نسخہ انجیل یا توریت کا بھی ایسا ہی محفوظ پڑا ہو اور دُنیا میں تو ہزارہا کتابیں اس قسم کی پائی جاتی ہیں کہ جو یقینی طور پر بغیر کسی کمی بیشی کے کسی مؤلف کی تالیف سمجھی گئی ہیں تو اسمیں کمال کیا ہوا۔ اور اُمت کو خصوصیت کے ساتھ فائدہ کیا پہنچا گو اس سے انکار نہیں کہ قرآن کی حفاظت ظاہری بھی دُنیا کی تمام کتابوں سے بڑھ کر ہے اور خارق عادت بھی لیکن خدا تعالیٰ جسکی رُوحانی اُمور پر نظر ہے ہرگز اسکی ذات کی نسبت یہ گمان نہیں کرسکتے کہ اُسنے حفاظت سے مراد صرف الفاظ اور حروف کا محفوظ رکھنا ہی مراد لیا ہے حالانکہ ذکر کا لفظ بھی صریح گواہی دے رہا ہے کہ قرآن بحیثیت ذکر رہونے کے قیامت تک محفوظ رہیگا اور اسکے حقیقی ذاکر ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اسپر ایک اور آیت بھی بین قرینہ ہے اور وہ یہ ہے بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ[2] یعنی قرآن آیاتِ بینات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ

[1] الحجر: ۱۰ [2] العنکبوت: ۵۰

مومنوں کو قرآن کریم کا علم اور نیز اسپر عمل عطا کیا گیا ہے اور جبکہ قرآن کی جگہ مومنوں کے سینے ٹھہرے تو پھر یہ آیت کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ[1] بجز اسکے اور کیا معنی رکھتی ہے کہ قرآن سینوں سے محو نہیں کیا جائیگا جس طرح کہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے سینوں سے محو کیگئی اور گو توریت اور انجیل اُنکے ہاتھوں اور اُنکے صندوقوں میں تھی لیکن اُنکے دلوں سے محو ہوگئی یعنی اُنکے دل اُسپر قایم نہ رہے اور انہوں نے توریت اور انجیل کو اپنے دلوں میں قائم اور بحال نہ کیا۔ غرض یہ آیت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ کوئی حصہ قرآن کا برباد اور ضائع نہیں ہوگا اور جس طرح روزِ اوّل سے اس کا پودا دلوں میں جمایا گیا۔ یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا۔

دوم جس طرح پر کہ عقل اِس بات کو واجب اور متحتم ٹھہراتی ہے کہ کتب الٰہی کی دائمی تعلیم اور تفہیم کیلئے ضروری ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی طرح وقتاً فوقتاً ملہم اور مکلّم اور صاحب علم لدنی پیدا ہوتے رہیں۔ اِسی طرح جب ہم قرآن پر نظر ڈالتے ہیں اور غور کی نگہ سے اسکو دیکھتے ہیں تو وہ بھی باواز بلند یہی فرما رہا ہے کہ رُوحانی معلّموں کا ہمیشہ کیلئے ہونا اسکے ارادہ قدیم میں مقرر ہو چکا ہے دیکھو اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ[2] الجزو ۱۳ یعنے جو چیز انسانوں کو نفع پہنچاتی ہے وُہ زمین پر باقی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ دُنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہنچانیوالے گروہ انبیاء ہیں کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقائق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو دینی نفع پہنچاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دُنیا میں کچھ بہت مدّت تک نہیں رہتے بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کرکے اِس عالم سے اُٹھائے جاتے ہیں۔ لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو۔ پس انبیاء کی طرف نسبت دیکر معنی آیت کے یوں ہونگے کہ انبیاء من حیث الظلّ باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظلّی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو اُن کی نظیر اور مثیل

[1] الحجر: ۱۰ [2] الرعد: ۱۸

پیدا کر دیتا ہے جو اُنہیں کے رنگ میں ہو کر انکی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے اور اسی ظلّی وجود قائم رکھنے کیلئے خداتعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دُعا سکھائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] یعنے اے خدا ہمارے ہمیں وُہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے اُن بندوں کی راہ ہے جنپر تیرا انعام ہے اور ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ کا انعام جو انبیاء پر ہُوا تھا جس کے مانگنے کیلئے اِس دُعا میں حکم ہے اور وہ درم و دینار کی قسم میں سے نہیں بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور تائید سماوی اور قبولیت اور معرفت تامہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے اور خداتعالیٰ نے اِس اُمّت کو اِس انعام کے مانگنے کے لئے تبھی حکم فرمایا کہ اوّل اس انعام کے عطا کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔ پس اِس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ خداتعالیٰ اس اُمّت کو ظلّی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا انبیاء کا وجود ظلّی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دُنیا اُن کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو اور نہ صرف دُعا کے لئے حکم کیا بلکہ ایک آیت میں وعدہ بھی فرمایا ہے اور وُہ یہ ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[2]۔ یعنے جو لوگ ہماری راہ میں جو صراط مستقیم ہے مجاہدہ کرینگے تو ہم اُن کو اپنی راہیں بتلا دینگے اور ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ کی راہیں وہی ہیں جو انبیاء کو دکھلائی گئیں تھیں۔

پھر بعض اور آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور خداوند کریم نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ رُوحانی معلّم جو انبیاء کے وارث ہیں ہمیشہ ہوتے رہیں اور وہ یہ ہیں۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ[3]۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِىَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ[4] الجزو نمبر ۱۳ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا[5]۔ یعنی خداتعالیٰ نے تمہارے لئے اے مومنانِ اُمّتِ محمدیہ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں بھی وہ زمین میں خلیفہ کریگا جیسا کہ تم سے پہلوں کو کیا اور ہمیشہ

[1] الفاتحہ: ۶-۷ [2] العنکبوت: ۷۰ [3] النور: ۵۶ [4] الرعد: ۳۲ [5] بنی اسرائیل: ۱۶

کفار پر کسی قسم کی کوفتیں جسمانی ہوں یا رُوحانی پڑتی رہینگی یا اُن کے گھر سے نزدیک آجائیں گی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ آپہنچے گا۔ اور خدا تعالیٰ اپنے وعدوں میں تخلف نہیں کرتا۔ اور ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک رسول بھیج نہ لیں۔

ان آیات کو اگر کوئی شخص تامل اور غور کی نظر سے دیکھے تو میں کیونکر کہوں کہ وہ اِس بات کو سمجھ نہ جائے کہ خدا تعالیٰ اِس اُمت کیلئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے۔ اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہ دینا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر خلافتِ راشدہ صرف تیس برس تک رہ کر پھر ہمیشہ کیلئے اُس کا دَور ختم ہو گیا تھا تو اِس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ اِس اُمت پر ہمیشہ کیلئے ابواب سعادت مفتوح رکھے کیونکہ رُوحانی سلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے اور ایسا مذہب ہرگز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنیوالے خود اپنی زبان سے ہی یہ اقرار کریں کہ تیرہ سو برس سے یہ مذہب مرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اِس مذہب کے لئے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نُور جو نبی کریم کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

افسوس کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے تدبر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وُہی ہو سکتا ہے جو ظلّی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو اِس واسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کیلئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دُنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلّی طور پر ہمیشہ کیلئے تا قیامت قائم رکھے سو اِسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دُنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکاتِ رسالت سے محروم نہ رہے۔ پس جو شخص خلافت کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وُہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظر انداز کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تو ہرگز نہیں تھا کہ رسول کریم

کی وفات کے بعد صرف تیس برس تک رسالت کی برکتوں کو خلیفوں کے لباس میں قائم رکھنا ضروری ہے۔ پھر بعد اسکے دُنیا تباہ ہو جائے تو ہو جائے کچھ پروا نہیں بلکہ پہلے دنوں میں تو خلیفوں کا ہونا بجز شوکت اسلام پھیلانے کے کچھ اور زیادہ ضرورت نہیں رکھتا تھا کیونکہ انوار رسالت اور کمالاتِ نبوت تازہ بتازہ پھیل رہے تھے اور ہزارہا معجزات بارش کی طرح ابھی نازل ہو چکے تھے۔ اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اسکی سنت اور قانون سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ بجائے ان چار خلیفوں کے اُس تیس برس کے عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو ہی بڑھا دیتا۔ اِس حساب سے تیس برس کے ختم ہونے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل ۹۳ برس کی عمر تک پہنچتے اور یہ اندازہ اس زمانہ کی مقرر عمروں سے نہ کچھ زیادہ اور نہ اُس قانونِ قدرت سے کچھ بڑھ کر ہے جو انسانی عمروں کے بارے میں ہماری نظر کے سامنے ہے۔

پس یہ حقیر خیال خدا تعالیٰ کی نسبت تجویز کرنا کہ اُسکو صرف اِس اُمت کے تیس برس کا ہی فکر تھا اور پھر اُسکو ہمیشہ کے لئے ضلالت میں چھوڑ دیا اور وہ نور جو قدیم سے انبیاء سابقین کی اُمت میں خلافت کے آئینہ میں وُہ دکھلاتا رہا اِس امت کے لئے دِکھلانا اسکو منظور نہ ہوا۔ کیا عقل سلیم خدائے رحیم وکریم کی نسبت ان باتوں کو تجویز کریگی ہرگز نہیں۔ اور پھر یہ آیت خلافتِ ائمہ پر گواہ ناطق ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ[1]۔ کیونکہ یہ آیت صاف صاف پکار رہی ہے کہ اسلامی خلافت دائمی ہے اِسلئے کہ یَرِثُهَا کا لفظ دوام کو چاہتا ہے۔ وجہ یہ کہ اگر آخری نوبت فاسقوں کی ہو تو زمین کے وارث وُہی قرار پائینگے نہ کہ صالح اور سب کا وارث وُہی ہوتا ہے جو سب کے بعد ہو۔

پھر اسپر بھی غور کرنا چاہیئے کہ جس حالت میں خدا تعالیٰ نے ایک مثال کے طور پر سمجھا دیا تھا کہ میں اِسی طور پر اِس اُمت میں خلیفے پیدا کرتا رہونگا جیسے موسیٰ کے بعد خلیفے پیدا کئے تو دیکھنا چاہیئے تھا کہ موسیٰ کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔ کیا اُس نے صرف تیس ۳۰ برس تک خلیفے بھیجے یا چودہ سو برس تک اِس سلسلہ کو لمبا کیا۔ پھر جس حالت میں خدا تعالیٰ کا فضل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

[1] انبیاء: ۱۰۶

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ تھا چنانچہ اُس نے خود فرمایا وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا[1] - اور ایسا ہی اس اُمت کی نسبت فرمایا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[2] تو پھر کیونکر ہو سکتا تھا کہ حضرت موسیٰ کے خلیفوں کا چودہ سو برس تک سلسلہ ممتد ہو اور اسجگہ صرف تیس[3] برس تک خلافت کا خاتمہ ہو جاوے اور نیز جبکہ یہ اُمت خلافت کے انوار رُوحانی سے ہمیشہ کے لئے خالی ہے تو پھر آیت اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کے کیا معنے ہیں کوئی بیان تو کرے۔ مثل مشہور ہے کہ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ جبکہ اس اُمت کو ہمیشہ کے لئے اندھا رکھنا ہی منظور ہے اور اس مذہب کو مُردہ رکھنا ہی مد نظر ہے تو پھر یہ کہنا کہ تم سب سے بہتر ہو اور لوگوں کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا اندھا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے سو اے لوگو جو مسلمان کہلاتے ہو برائے خدا سوچو کہ اِس آیت کے یہی معنی ہیں کہ ہمیشہ قیامت تک تم میں رُوحانی زندگی اور باطنی بینائی رہیگی۔ اور غیر مذہب والے تم سے روشنی حاصل کرینگے اور یہ رُوحانی زندگی اور باطنی بینائی جو غیر مذہب والوں کو حق کی دعوت کرنے کے لئے اپنے اندر لیاقت رکھتی ہے یہی وُہ چیز ہے جسکو دُوسرے لفظوں میں خلافت کہتے ہیں پھر کیونکر کہتے ہو کہ خلافت صرف تیس برس تک ہو کر پھر زاویہ عدم میں مخفی ہو گئی۔ اتقوا اللّٰہ۔ اتقوا اللّٰہ۔ اتقوا اللّٰہ۔

اب یاد رہے کہ اگرچہ قرآن کریم میں اِس قسم کی بہت سی آیتیں ایسی ہیں جو اس اُمت میں خلافت دائمی کی بشارت دیتی ہیں اور احادیث بھی اِس بارہ میں بہت سی بھری پڑی ہیں لیکن بالفعل اِسقدر لکھنا اُن لوگوں کیلئے کافی ہے جو حقائق ثابت شدہ کو دولت عظمیٰ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور اِسلام کی نسبت اِس سے بڑھ کر اور کوئی بد اندیشی نہیں کہ اسکو مُردہ مذہب خیال کیا جائے اور اسکی برکات کو صرف قرن اوّل تک محدود رکھا جاوے۔ کیا وہ کتاب جو ہمیشہ کی سعادتوں کا دروازہ کھولتی ہے وہ ایسی پست ہمتی کا سبق دیتی ہے کہ کوئی برکت اور خلافت آگے نہیں بلکہ سب کچھ پیچھے رہ گیا ہے۔ نبی تو اس اُمت میں آنے کو رہے۔ اب اگر خلفائے نبی بھی نہ آویں اور وقتاً فوقتاً رُوحانی زندگی کے کرشمے نہ دکھلاویں تو پھر اسلام کی رُوحانیت کا خاتمہ ہے اور پھر ایسے

[1] النساء: ۱۱۴ [2] آل عمران: ۱۱۱

مذہب کو موسوی مذہب کی رُوحانی شوکت اور جلال سے نسبت ہی کیا ہے جس میں ہزارہا روحانی خلیفے چودہ سَو برس تک پیدا ہوتے رہے اور افسوس ہو کہ ہمارے معترض ذرہ نہیں سوچتے کہ اس صورت میں اسلام اپنی رُوحانیت کے لحاظ سے بہت ہی ادنیٰ ٹھہرتا ہے اور نبی متبوع صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کچھ بہت بڑا نبی ثابت نہیں ہوتا اور قرآن بھی کوئی ایسی کتاب ثابت نہیں ہوتی جو اپنی نورانیت میں قوی الاثر ہو۔ پھر یہ کہنا کہ یہ اُمت خیر الامم ہے اور دُوسری اُمتوں کے لئے ہمیشہ رُوحانی فائدہ پہنچانے والی ہے اور یہ قرآن سب الٰہی کتابوں کی نسبت اپنے کمالات اور تاثیر وغیرہ میں اکمل و اتم ہے اور یہ رسول تمام رسولوں سے اپنی قوت قدسیہ اور تکمیل خلق میں اکمل و اتم ہے کیسا بیہودہ اور بے معنی اور بے ثبوت دعویٰ ٹھہریگا اور پھر یہ ایک بڑا فساد لازم آئیگا کہ قرآن کی تعلیمات کا وہ حصہ جو انسان کو رُوحانی انوار اور کمالات میں مشابہ انبیاء بنانا چاہتا ہے ہمیشہ کے لئے منسوخ خیال کیا جائیگا کیونکہ جبکہ اُمت میں یہ استعداد ہی نہیں پائی جاتی کہ خلافت کے کمالات باطنی اپنے اندر پیدا کرلیں تو ایسی تعلیم جو مرتبہ کے حاصل کرنے کیلئے تاکید کر رہی ہے محض لاحاصل ہوگی۔ درحقیقت فقط ایسے سوال سے ہی کہ کیا اسلام اب ہمیشہ کے لئے ایک مذہب مردہ ہے جس میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوتے جن کی کرامات معجزات کے قائم مقام اور جنکے الہامات وحی کے قائم مقام ہوں بدن کانپ اُٹھتا ہی چہ جائیکہ کسی مسلمان کا نعوذ باللہ ایسا عقیدہ بھی ہو خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت کرے جو ان ملحدانہ خیالات میں اسیر ہیں۔

اَب جبکہ قرآن شریف کی رُو سے یہی ثابت ہوُا کہ اِس اُمت مرحومہ میں سلسلہ خلافت دائمی کا اسی طور پر اور اسی کی مانند قائم کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ کی شریعت میں قائم کیا گیا تھا اور صرف اسقدر لفظی فرق رہا کہ اُسوقت تائید دین عیسوی کیلئے نبی آتے تھے اور اب محدّث آتے ہیں تو اِس ثبوت کو اِس بات کا مان لینا مستلزم ہی کہ جیسے حضرت موسیٰ کی شریعت کے آخری زمانہ میں ایک نبی جس کا نام عیسیٰ تھا ایسے وقت میں آیا کہ جب یہودیوں کی اخلاقی حالت بکلّی بگڑ گئی تھی۔

اور حقیقی تقویٰ اور دیانت اور قومی ہمدردی اور اتفاق اور سچی خدا ترسی سے وُہ بکلّی دُور جا پڑے تھے۔ اور اُنکے علم اور فکر کا مبلغ صرف ظاہری لفاظی اور الفاظ پرستی تک محدود ہو گیا تھا اور نیز اپنی دُنیوی حالت میں کمزور اور ذلیل ہو گئے تھے ایسا ہی اُس نبی کے ہمرنگ اور اُس زمانہ کے مشابہ ایک محدث اس اُمت میں بھی ایسے وقت میں پیدا ہونا ضروری ہے کہ جب یہ اُمت بھی اسی طور پر بگڑ جائے کہ جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وقت میں یہودی بگڑے ہُوئے تھے۔ اور جب غور سے دیکھا جاتا اور بنظرِ تحقیق سوچا جاتا ہے تو صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وُہ زمانہ جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کا اس اُمت میں بھی کوئی مثیل بوجہ مماثلت تامہ کاملہ سلسلہ خلفاء موسوی و خلفاء محمدی میں پیدا ہونا چاہیئے۔ یہی زمانہ ہے جسمیں ہم ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح کا قریباً چودہ سو برس کا فاصلہ تھا اور اب بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِسوقت تک چودھویں صدی ہے اور حضرت موسیٰ کی اُمت چودھویں صدی پر آکر ایسی بگڑ گئی تھی کہ تقویٰ اور دیانت بالکل جاتی رہی تھی اور علماء یہود ناحق کے اختلافات اور نفسانی جھگڑوں میں مصروف تھے اور انمیں بہت کچھ فسق و فجور پھیل گیا تھا اور اُن کی دُنیوی حالتیں بھی بہت ابتری پیدا ہو گئی تھی ایسا ہی اِس زمانہ میں اِس اُمت کا حال ہے اور جو واقعات آنکھوں کے سامنے ہیں وہ صاف شہادت دے رہے ہیں کہ درحقیقت اِس اُمت کے علماء نے اِس زمانہ کے یہودیوں کے قدموں پر قدم مارا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے اور نہ صرف اسی بات میں وہ اُسوقت کے یہودیوں کے مشابہ ہو گئے ہیں کہ دیانت اور تقویٰ اور رُوحانیت اور حقیقت شناسی اُنمیں باقی نہیں رہے بلکہ دُنیوی ادبار بھی ویسا ہی شامل حال ہو گیا ہے کہ جیسا اُس زمانہ میں تھا اور جیسا کہ اُسوقت یہودیہ ریاستوں کو رُومی ملوک نے تباہ کر دیا تھا اور ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ[1] کا مصداق ہو گئے تھے اور یہودی اپنے تئیں ضعیف اور بیکس دیکھ کر ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو بادشاہ ہو کر آوے اور رُومیوں پر تلوار چلاوے کیونکہ توریت کے آخر میں یہی وعدہ دیا گیا تھا

[1] البقرۃ: ۶۲

ویسا ہی یہ قوم مسلمان بھی اکثر اور اغلب طور پر ادبار کی حالت میں گری ہوئی نظر آتی ہے اگر کوئی ریاست ہے تو اُسکو اندرونی نفاقوں اور وزراء اور عملہ کی خیانتوں اور بادشاہوں کے کسل اور سُستیوں اور جہالتوں اور بے خبریوں اور عیش پسندیوں اور آرام طلبیوں نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ اب اُنکا کوئی آخری دم ہی نظر آتا ہے اور یہ لوگ بھی یہودیوں کی طرح منتظر تھے کہ مسیح موعود بادشاہوں کی طرح بڑے جلال کے ساتھ اُنکی حمایت کیلئے نازل ہوگا۔

اب وہ آنکھیں جو دیکھ سکتی ہیں اور وہ دل جو انصاف کر سکتے ہیں اور وہ عقل جو سوچ سکتی ہو اِسجگہ دیکھ لیں اور تول لیں اور سوچ لیں کہ کیا یہ ماجرا اور وہ ماجرا دونوں برابر ہیں یا نہیں۔ بھلا پیشگوئیوں کو تھوڑی دیر کیلئے نظر انداز کر دو صرف ایک محقق بنکر عقلی طور پر ہی دیکھو کہ کیا اس زمانہ کے مسلمانوں اور حضرت مسیح کے زمانہ کے یہودیوں کا معاملہ طابق النعل بالنعل کا مصداق ہے یا نہیں۔ انجیلوں کو غور کر کے دیکھو اور پڑھو کہ جو کچھ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کے مولویوں اور فقیہوں کی نسبت حالات لکھے ہیں اور اُنکی خیانتیں ظاہر کی ہیں کیا حال کے مسلمان مولویوں میں وہ پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ ہمارے علماء بھی یہودیوں کے فقیہوں کی طرح دن رات عبث جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں اور رُوحانیت سے بکلّی خالی ہو گئے ہیں اور دُوسروں کو کافر ٹھہرانے میں کوشش کرتے اور آپ نہیں جانتے کہ اسلام کیا شے ہے اور وہ ایسے وعظ کرتے ہیں جنپر آپ عمل نہیں کرتے اور روٹی کمانے کے لئے وعظ کا منصب اختیار کر کے دُور دراز نکل جاتے ہیں اور بے سند تک بندیوں سے لوگوں کو خوش کر کے مال حرام کھاتے ہیں اور مکر اور فریب اور دغا بازیوں میں یہودیوں سے کچھ کم نہیں رہے۔ ایسا ہی دُنیا داروں کی حالت ہے کہ اکثر اِنکے دُنیا کمانے کے لئے ہر یک خیانت اور دروغگوئی کو شیر مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں اور جو رئیس کہلاتے ہیں اور ٹوٹی پھوٹی ریاستیں اُنکے ہاتھ میں ہیں اُنکو عیّاشیوں نے ہلاک کر دیا ہے۔ بہتیرے اُنمیں سے شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں زنا سے ذرہ بھی کراہت نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ کا خوف دِن رات کے کسی حصّہ میں بھی اُن کے

نزدیک نہیں آتا۔ اب یہود کی تواریخ ہاتھ میں لیکر دیکھو کہ کس قدر ان مسلمانوں کو دین اور دنیا کی تباہی میں اُن یہود سے اشد مشابہت ہے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے توریت میں یہود کی نسبت یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ جبتک سیلانہ آوے اُنکی بادشاہی نہیں جائیگی۔ سیلا سے مراد حضرت مسیح تھے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا تھا کہ حضرت مسیح کی پیدائش سے بھی کچھ عرصہ پہلے یہود کی متفرق ریاستوں پر سلطنت رومیہ ٹوٹ پڑی ہوئی تھی اور چونکہ یہود اس زمانہ کے مسلمانوں کی طرح باہمی نفاقوں اور روز کے جھگڑوں اور کسل اور جہالت کے غلبہ سے ضعیف ہو چکے تھے اور اُنکی اندرونی حالت خود اُنکے لئے ایک بد فالی کی خبر دے رہی تھی اس لئے یہود نے حضرت مسیح کے زمانہ سے کچھ تھوڑا ہی پیشتر خود اپنے تئیں سلطنت رومیہ کے سپرد کر دیا تھا اور مشابہت کے لحاظ سے اِس اُمت میں بھی ایک سیلا کا آنا ضروری تھا جو عین دینی دنیوی تباہی کے وقت میں آوے۔

اور درحقیقت ایسی ہی پیشگوئی مسلمانوں کے اُس زمانہ کیلئے جو حضرت مسیح کے زمانہ سے بلحاظ مدت وغیرہ لوازم مشابہ تھا قرآن کریم نے بھی کی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے من کل حدب ینسلون[1] ای من کل حدب ینسلون الی الاسلام ویفسدون فی ارضہ ویتملکون بلادہ ویجعلون اعزۃ اھلھا اذلۃ۔ اِس آیت کے یہی معنی ہیں کہ قوم نصاریٰ جو فرقہ یاجوج اور ماجوج ہوگا ہریک بلندی سے ممالک اسلام کیطرف دوڑینگے اور انکو غلبہ ہوگا اور بلاد اسلام کو وہ دبا لیتے جائینگے یہانتک کہ سلطنت اسلام صرف بنام رہ جائیگی جیسا کہ آجکل ہے۔ واقعات کے تطابق کو دیکھو کہ کیونکر اسلام کے مصائب اور مسلمانوں کی دینی اور دنیوی تباہی کا زمانہ یہودیوں کے اُس زمانہ سے مل گیا ہے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھا اور پھر دیکھو کہ قرآن کی پیشگوئی اسلامی سلطنت کے ضعف کے بارے میں اور مخالفوں کے غالب ہونیکی نسبت کیسی اُس پیشگوئی سے انطباق پا گئی ہے جو اسرائیلی سلطنت کے زوال کے بارہ میں توریت میں کیگئی تھی۔ ہاں مجدد دین کی بشارت میں توریت کی پیشگوئی اور قرآن کی پیشگوئی میں صرف پیرایہ بیان کا فرق ہے یعنی توریت میں تو اسرائیلی قوت کے ٹوٹنے اور عصا کے جاتے رہنے کے وقت میں جس سے مراد زوال سلطنت تھا سیلا کے آنے کی بشارت

[1] الانبیاء: ۹۷

دیگئی ہی مگر قرآن میں اسلامی طاقت کے کم ہونے اور امواج فتن کے اُٹھنے کے وقت جو عیسائی واعظوں کی دجّالیت سے مراد ہی نفخ صُور کی خوشخبری دیگئی ہی اور نفخ صُور سے مُراد قیامت نہیں ہی کیونکہ عیسائیوں کے امواج فتن کے پیدا ہونے پر تو سو برس سے زیادہ گذر گیا ہی مگر کوئی قیامت برپا نہیں ہوئی بلکہ مراد اِس سے یہ ہی کہ کسی مہدی اور مجدّد کو بھیجکر ہدایت کی صُور پھونکی جائے اور ضلالت کے مُردوں میں پھر زندگی کی رُوح پھونک دیجاوے کیونکہ نفخ صُور صرف جسمانی احیاء اور اماتت تک محدود نہیں ہے بلکہ رُوحانی احیاء اور اماتت بھی ہمیشہ نفخ صور کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے۔ اور جیسا قرآن میں نفخ صُور سے کسی مجدّد کا بھیجنا مُراد ہی تا عیسائی مذہب کے غلبہ کو توڑے۔ ایسا ہی امواج فتن سے وُہ دجّالیت مُراد ہی جو حدیثوں میں دجّال معہود کے نام پر بیان کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ نے دجّال معہود اور مسیح موعود کے لفظ کو جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہی کہیں قرآن میں ذِکر نہیں فرمایا۔ بلکہ بجائے دجّال کے نصاریٰ کی پُرفتن کارروائیوں کا ذِکر کیا ہی۔ چنانچہ من کل حدب ینسلون بھی اِسی کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی قرآن کریم میں آنے والے مجدّد کا بلفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں بلکہ لفظ نفخ صُور سے اُسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے تا معلوم ہو کہ مسیح موعود ارضی اور زمینی ہتھیاروں کے ساتھ ظاہر نہیں ہوگا بلکہ آسمانی نفخ پر اُس کے اقبال اور عروج کا مدار ہوگا اور وہ پُرحکمت کلمات کی قوت سے اور آسمانی نشانوں سے لوگوں کو حق اور سچائی کی طرف کھینچے گا کیونکہ وہ معقولی فتنوں کے وقت آئیگا نہ سیفی فتنوں کے وقت اور اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر یک فتنہ کی طرز کے موافق نبی اور مجدّد کو بھیجتا ہی۔ پس جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی تمام قوتیں مسلوب ہو چکی تھیں اور اُنکے ہاتھ بجُز مکر اور فریب اور زبانی باتوں کے اور کچھ نہ تھا اور سلطنت رومیہ جسکے تحت میں وُہ اپنی بدچلنیوں اور بدانتظامیوں کی جہت سے خود آگئے تھے رومیوں کا بلحاظ ملک گیری کچھ قصور نہ تھا یہی حال قرآن کریم میں مسیح موعود کے زمانہ میں لکھا گیا ہے۔ مثلاً ہندوستان کے مسلمانوں کی نالائق حالت ایسی ہی کہ وُہ کسی مصلح کے پیدا ہونے پر تلوار سے اُس کی نافرمانی نہیں کر سکتے کیونکہ خود تلواریں اُنکے پاس نہیں اور دہلی کا تخت انگریزوں نے ایسا ہی لے لیا۔

جیسا کہ یہودیوں کا تعلق سلطنت روم سے نے یعنی محض بادشاہوں کی بدچلنی اور نالیاقتی کی وجہ سے انگریزوں کا اس ملک گیری میں کچھ قصور نہیں تا ان پر تلوار اُٹھائی جاوے بلکہ از راست کہ بر راست کی مثال اس جگہ صادق آتی ہے اسی وجہ سے اِس صدی کا مجدد حضرت مسیح کے رنگ میں آیا اور بوجہ قوی مشابہت کے مسیح موعود کہلایا۔ اور یہ نام کچھ بناوٹی نہیں بلکہ حالات موجودہ کی مطابقت کی وجہ سے اسی نام کی ضرورت پڑی۔

اور یاد رہے کہ قرآن کریم میں ایک جگہ رسل کے لفظ کے ساتھ بھی **مسیح موعود** کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ سوال کہ انہی الفاظ کے ساتھ جو احادیث میں آئے ہیں کیوں قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تا پڑھنے والوں کو دھوکا نہ لگ جاوے کہ مسیح موعود سے مراد درحقیقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہی ہیں جن پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ اور ایسا ہی دجّال سے کوئی خاص مفسد مراد ہے سو خدا تعالےٰ نے فرقان حمید میں ان تمام شبہات کو دُور کر دیا۔ اس طرح پر کہ اوّل نہایت تصریح اور توضیح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی **وفات** کی خبر دی جیسا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ [1] سے ظاہر ہے اور پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا **خاتم الانبیاء** ہونا بھی ظاہر کر دیا جیسا کہ فرمایا وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ [2] اور پھر یہودیوں کی بہت سی نافرمانیاں جا بجا ذکر کر کے متواتر طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ **آخری** حالت عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے علماء کی یہی ہو جائیگی اور پھر ذکر کیا کہ آخری زمانہ میں **غلبہ نصاریٰ** کا ہوگا اور اُنکے ہاتھ سے طرح طرح کے فساد پھیلیں گے اور ہر طرف سے امواج فتن اُٹھیں گی اور وہ ہر یک بلندی سے دوڑینگی یعنی ہر یک طور سے وہ اپنی قوت اور اپنا عروج اور اپنی بلندی دکھلائینگی۔ ظاہری طاقت اور سلطنت میں بھی اُنکی بلندی ہوگی کہ اور حکومتیں اور ریاستیں اُنکے مقابل پر کمزور ہو جائیں گی اور علوم وفنون میں بھی اُنکو بلندی حاصل ہوگی کہ طرح طرح کے علوم وفنون ایجاد کرینگے اور نادر اور عجیب صنعتیں نکالینگے اور مکاید اور تدابیر اور حُسنِ انتظام میں بھی بلندی ہوگی اور دنیوی مہمات میں اور اُنکے حصول کیلئے اُنکی ہمتیں بھی بلند ہونگی اور اشاعت مذہب کی جدوجہد اور کوشش میں بھی وہ سب سے فائق اور بلند ہونگے اور ایسا ہی تدابیر

[1] المآئدۃ : ۱۱۸ [2] الاحزاب : ۴۱

معاشرت اور تجارت اور ترقی کاشتکاری غرض ہریک بات میں ہریک قوم پر فائق اور بلند ہو جائینگی یہی معنے ہیں مِنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ[1] کے کیونکہ حدب بالتحریک زمین بلند کو کہتے ہیں اور نسل کے معنے ہیں سبقت لیجانا اور دوڑنا۔ یعنی ہر ایک قوم سو ہر ایک بات میں جو شرف اور بلندی کی طرف منسوب ہو سکتی ہی سبقت لیجائینگے اور یہی بھاری علامت اِس آخری قوم کی ہے جس کا نام یاجوج ماجوج ہے اور یہی علامت پادریوں کے اُس گروہ پُر فتن کی ہی جس کا نام دجّال معہود ہی اور چونکہ حدب زمین بلند کو کہتے ہیں اس سے یہ اشارہ ہی کہ تمام زمینی بلندیاں اُنکو نصیب ہونگی مگر آسمانی بلندی سے بے نصیب ہینگے اور اِس مقام سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی قوم یاجوج و ماجوج باعتبار اپنے ملکی عروج کے یاجوج ماجوج سے موسوم ہی اور اسی قوم میں سو وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ضلالت کے پھیلانے میں اپنی کوششیں انتہا کو پہنچائی ہیں اور دجّال اکبر سے موسوم ہوگئے اور خدا تعالیٰ نے ضلالت کے عروج کے ذکر کے وقت فرمایا کہ اُسوقت نفخ صور ہوگا اور تمام فرقے ایک ہی جگہ پر اکٹھے کئے جائیں گے اور بعد ان آیات کے جو جہنم کا ذکر ہے وہ قرآن کریم کے محاورہ کے بموجب الگ بیان ہی کیونکہ قرآن کریم کا یہ عام محاورہ ہے کہ بعض اوقات دُنیا کے کسی واقعہ کا ذکر کرتے کرتے کسی مناسبت کی وجہ سو آخرت کا ذکر ساتھ ہی کیا جاتا ہی جیسا کہ قرآن شریف کو غور سے دیکھنے والے اِس متواتر محاورہ سے بے خبر نہیں ہیں۔

تیسرا شق ہماری اِن مباحث کا یہ تھا کہ اِس بات پر کیا دلیل ہے کہ وہ مسیح موعود جس کا قرآن اور احادیث میں مختلف پیرائیوں میں ذکر ہے وہ یہی عاجز ہے۔ سو میرے خیال میں اِس شق کے دلائل لکھنے میں زیادہ طول دینے کی حاجت نہیں اِس بات کو ہم نے اِس رسالہ میں ثابت کر دیا ہے کہ ایک شخص کا اِس اُمت میں سے مسیح علیہ السلام کے نام پر آنا ضروری ہے۔ کیوں ضروری ہے تین وجہ سے۔

اوّل یہ کہ مماثلت تامہ کاملہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو آیت کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا[2] سے مفہوم ہوتی ہے اِس بات کو چاہتی ہے۔

[1] الانبیاء: ۹۷ [2] المزمل: ۱۶

وجہ یہ کہ آیت اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا[1]
صاف بتلا رہی ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ اپنی اُمت کی نیکی بدی پر شاہد تھے ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم بھی شاہد ہیں مگر یہ شہادت دوامی طور پر بجز صورت استخلاف کے حضرت موسیٰ کیلئے ممکن نہیں
ہوئی یعنے خدا تعالیٰ نے اسی اتمام حجت کی غرض سے حضرت موسیٰ کیلئے چودہ سو برس تک خلیفوں کا
سلسلہ مقرر کیا جو درحقیقت توریت کے خادم اور حضرت موسیٰ کی شریعت کی تائید کیلئے آتے تھے تا
خدا تعالیٰ بذریعہ ان خلیفوں کے حضرت موسیٰ کی شہادت کے سلسلہ کو کامل کر دیوے اور وہ اس
لائق ٹھہریں کہ قیامت کو تمام بنی اسرائیل کی نسبت خدا تعالیٰ کے سامنے شہادت دے سکیں ایسا ہی
اللہ جلشانہ نے اسلامی اُمت کے کل لوگوں کیلئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد ٹھہرایا ہے اور
فرمایا اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ[2] اور فرمایا وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰؤُلَآءِ شَهِیْدًا[3]
مگر ظاہر ہے کہ ظاہری طور پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف تئیس ۲۳ برس تک اپنی اُمت میں رہے
پھر یہ سوال کہ دائمی طور پر وہ اپنی اُمت کے لئے کیونکر شاہد ٹھہر سکتے ہیں یہی واقعی جواب رکھتا ہے کہ
بطور استخلاف کے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی مانند خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی
قیامت تک خلیفے مقرر کر دیئے اور خلیفوں کی شہادت بعینہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت
متصور ہوئی اور اس طرح پر مضمون آیت اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ[4] ہر یک پہلو
سے درست ہو گیا۔ غرض شہادت دائمی کا عقیدہ جو نص قرآنی سے بتواتر ثابت اور تمام مسلمانوں
کے نزدیک مسلم ہے تبھی معقولی اور تحقیقی طور پر ثابت ہوتا ہے جب خلافت دائمی کو قبول کیا جائے۔
اور یہ امر ہمارے مدعا کو ثابت کرنیوالا ہے فتدبر۔

دوسری مماثلت تامہ کاملہ استخلاف محمدی کی استخلاف موسوی سے مسیح موعود کا آنا ضروری
ٹھہراتی ہے جیسا کہ آیت مندرجہ ذیل سے مفہوم ہوتا ہے یعنے آیت وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم
وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم[5] صاف
بتلا رہی ہے کہ ایک مجدد حضرت مسیح کے نام پر چودھویں صدی میں آنا ضروری ہے کیوں کہ امر

[1-2] المزمل: ۱۶ [3] النسآء: ۴۲ [4] المزمل: ۱۶ [5] النور: ۵۶

استخلاف محمدی امر استخلاف موسوی سے اسی حالت میں اکمل اور اتم مشابہت پیدا کرسکتا ہے کہ جبکہ اوّل زمانہ اور آخری زمانہ باہم نہایت درجہ کی مشابہت رکھتے ہوں اور آخری زمانہ کی مشابہت دو باتوں میں تھی ایک اُمت کا حال ابتر ہونا اور دُنیا کے اقبال میں ضعف آجانا اور دینی دیانت اور ایمانداری اور تقویٰ میں فرق آجانا دوسرے ایسے زمانہ میں ایک مجدد کا پیدا ہونا جو مسیح موعود کے نام پر آوے اور ایمانی حالت کو پھر بحال کرے سو پہلی علامت کو ہمارے بھائی مسلمان صرف قبول ہی نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کا ادبار اور ایک ایسی غیر قوم کا اقبال اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جو اُنکے مذہب کو ایسا ہی حقیر اور ذلیل سمجھتی ہے جیسا کہ مجوسی یہودیوں پر غالب آکر حضرت مسیح کے زمانہ میں یہود کو حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اندرونی حالت اسلام کے علماء اور اسلام کے دُنیا داروں کی یہودیوں کے حالات سے کچھ کم نہیں ہے بلکہ خیر سے دوچند معلوم ہوتی ہے جب ہم قرآن کی پہلی جزو میں ہی یہ آیتیں پڑھتے ہیں جو یہودیوں کے مولویوں کے حق میں ہیں کہ تم لوگوں کو تو نیکی اور بھلائی کے لئے وعظ کرتے ہو اور اپنے تئیں بھول جاتے ہو اور اپنے بھائیوں کے ستانے میں تم قصور نہیں کرتے اور طرح طرح کے لالچوں اور حرامکاریوں اور بدکاریوں اور بدمنصوبوں اور دُنیا طلبی کے فریبوں میں مشغول ہو تو بے اختیار دِل بول اُٹھتا ہے کہ یہ تمام آیتیں ہمارے اکثر مولویوں کے حق میں صادق آرہی ہیں۔

پھر جبکہ اُن متلازم علامتوں میں سے ایک علامت کا اِس زمانہ میں پایا جانا ہمارے بھائیوں نے خود قبول کر لیا تو دُوسری علامت کے قبول کرنے سے مُنہ پھیرنا بعینہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ آفتاب بیشک نکلا ہُوا ہے مگر ابھی دن نہیں چڑھا۔ بہر حال ایک منصف دانا کو اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں ہوگا کہ آیاتِ قرآنی پر غور کے ساتھ نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ محمدی استخلاف کا سلسلہ موسوی استخلاف کے سلسلہ سے بکلّی مطابق ہونا چاہیئے جیسا کہ کَمَا کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے اور جبکہ بکلّی مطابق ہُوا تو اِس اُمت میں بھی اُسکے آخری زمانہ میں جو قرب قیامت کا

زمانہ ہے حضرت عیسٰی کی مانند کوئی خلیفہ آنا چاہیئے کہ جو تلوار سے نہیں بلکہ رُوحانی تعلیم اور برکات سے اتمام حجت کرے اور اس لحاظ سے کہ حضرت مسیح حضرت موسٰی سے چودہ سو برس بعد آئے۔

یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ مسیح موعود کا اس زمانہ میں ظہور کرنا ضروری ہو اور خدا تعالیٰ کے وعدوں میں تخلّف نہیں تو اب دیکھنا چاہیئے کہ ایسے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اس زمانہ میں مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا۔ اگر فرض بھی کیا جائے کہ مثلاً مسلمانوں میں سے اس زمانہ میں دس آدمیوں نے دعویٰ کیا ہے تو ان دس میں سے ایک ضرور صادق اور مسیح موعود ہو گا کیونکہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ نشان صادق کے وجود کو چاہتے ہیں۔ لیکن جس حالت میں بیس کروڑ مسلمانوں میں سے جو شام اور عرب اور عراق اور مصر اور ہند وغیرہ بلاد میں رہتے ہیں اس علامات کے زمانہ میں جو کتاب اللہ اور حدیث کی رُو سے **مسیح موعود** کے ظہور کا زمانہ ہے صرف ایک شخص نے مسلمانوں میں سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو ایسے مدعی کی تکذیب سے جو اپنے وقت پر ظاہر ہوا پیشگوئی کی تکذیب لازم آتی ہے۔

چودھویں صدی کے سر پر مسیح موعود کا آنا جس قدر حدیثوں سے قرآن سے اولیاء کے مکاشفات سے بپایہ ثبوت پہنچتا ہے **حاجت بیان** نہیں۔ پھر جو دعویٰ اپنے محل اور موقعہ پر ہے اُسکے ردّ کرنے سے تو ایک متقی آدمی کا بدن کانپ جاتا ہے غرض پہلی دلیل اس عاجز کی **صداقت** کی ایسے وقت میں دعویٰ کرنا ہے جس وقت کو سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم اور اولیاء کے **مکاشفات** نے مسیح موعود کے ظہور کیلئے **خاص** کیا ہے جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ٹھہرے اور پھر اُس نبی آخر الزمان سے بھی تیرہ سو برس اور گذر گیا تو پھر اس حدیث کو سوچو جس میں منبر کے سات درجہ کو جو رُویا میں دیکھا گیا دُنیا کا سات ہزار برس قرار دیا ہے اور **خوب غور کرو** کہ کیا یہ زمانہ اُس حدیث کی رُو سے مسیح موعود کیلئے ضروری ہے یا نہیں۔ پھر حدیث الآیات بعد المائتین پر بھی خیال کرو جس سے علماء نے یہ نکالا ہے کہ تیرھویں صدی سے آیات کبریٰ قیامت کی شروع ہونگی کیونکہ اگر آیات سے آیات صغریٰ مراد ہیں تو اس صُورت میں بعد المائتین کی شرط لاحاصل ٹھہرتی ہے خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قیامت

کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ پھر اگر حدیث کے یہ معنی کئے جائینگے کہ دو سو برس کے بعد علامات کبریٰ شروع ہونگی تو یہ صریح خلاف ہے کیونکہ دو سو برس کے بعد تو کوئی علامت شروع نہ ہوئی اِسی لئے علماء نے اِس حدیث میں مأتین سے مُراد وُہ دو سو لیا ہے جو ہزار کے بعد آوے یعنے بارہ سو برس۔ اور اِس تاویل میں علماء حق پر ہیں۔ کیونکہ کچھ شک نہیں کہ بڑے بڑے فتنے تیرھویں صدی میں ہی ظہور میں آئے اور دجّالیّت کا طوفان اِسی صدی میں پھیلا اور مِنۡ كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ[1] کا تماشا بھی اِسی صدی میں دیکھا گیا۔ صدہا اسلامی ریاستیں خاک میں مل گئیں اور نصاریٰ نے خوب بلندی حاصل کی۔

اور یہ تیسرا شق بحث طلب کہ اگر درحقیقت کوئی مسیح موعود اِس اُمت میں سے آنیوالا ہے تو اسپر کیا دلیل ہے کہ وہ مسیح یہی عاجز ہے اِسکے بعض قرآنی دلائل تو ابھی ہم تحریر کر چکے ہیں حاجت اعادہ نہیں لیکن خاص طور کے دلائل اگر طلب ہوں تو سائل کو ذرہ صبر کرنا چاہیئے تا خود خدا تعالےٰ اپنے بندے کی تائید میں دلائل نازل کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے دعاوی صرف معقولی یا منقولی دلائل سے کامل طور پر بپایۂ ثبوت نہیں پہنچ سکتے جبتک شخص مدعی کے برکات آسمانی تائیدات سے ثابت نہ ہوں اور یہی سنّت خدا تعالیٰ کی قدیم سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جاری چلی آئی ہے مثلاً ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اگرچہ پہلی کتابوں میں پیش از وقت خبریں دی گئیں تھیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ایسے زمانہ میں تشریف لائے کہ وُہ زمانہ ایک **عظیم الشّان** رسول کے مبعوث ہونے کا محتاج ہو رہا تھا لیکن باوجود اِن سب باتوں کے خدا تعالےٰ نے اپنے سچے نبی کی سچّائی ثابت کرنے کے لئے پہلی پیشگوئیوں پر اکتفا نہ کی اور نہ دُوسرے قرائن کو مکتفی سمجھا بلکہ بہت سے آسمانی نشان اُس پاک نبی کی **تصدیق** کے لئے نازل کئے۔ یہانتک کہ اس نبی کریم کا **سچّا ہونا** کُھل گیا اور آفتاب کی طرح نُورِ صداقت چمک اُٹھا۔

سو اِسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کیطرف سے ہے اور اپنے اقوال میں صادق ہے تو

[1] الانبیاء: ۹۷

خدا تعالیٰ اپنی خاص مددوں سے اس عاجز کی سچائی کو ظاہر کر دیگا اور اپنے خاص نشانوں سے دنیا پر روشن کر دیگا کہ یہ عاجز اُسکی طرف سے ہے نہ اپنے منصوبوں سے۔ پھر جس حالت میں آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے اپنے دعوے میں صادق ہونا ثابت ہو جائے تو پھر بعد اسکے کوئی وجہ انکار باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ آسمانی نشان وُہ چیز ہے جس سے بڑی بڑی نبوتیں ثابت ہوگئی ہیں رسالتیں ثابت ہوگئیں ہیں کتابوں کا خدا تعالیٰ کا کلام ہونا ثابت ہوگیا۔ **پھر ان کے ذریعہ سے مثیل مسیح ہونا کیونکر ثابت** نہ ہو سکے غرض خدا تعالیٰ جس طور سے اپنے صادق بندوں کی صداقت ثابت کرتا آیا ہے۔ اُسی طور سے اس عاجز کی **صداقت** بھی ثابت کریگا۔

دیکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کے ماننے کے بارے میں کس قدر مشکلات یہودیوں کو پیش آگئی تھیں پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ عیسےٰ بادشاہ ہو کر آئیگا مگر مسیح ایک غریب مسکین کی صورت میں پیدا ہؤا پہلی کتابوں میں درج تھا کہ اُسکے آنے سے یہودیوں کے ایام اقبال پھر عود کرینگے اور یہودی اس خیال میں لگے ہُوئے تھے کہ وہ سلطنت رومیہ کے ساتھ لڑے گا اور اسرائیل کی بادشاہت کو پھر قائم کریگا مگر معاملہ برعکس ہؤا اور یہودی اور بھی مصیبت اور ذلّت میں پڑے۔ ایسا ہی پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ وُہ نہیں آئیگا جب تک ایلیا نبی دوبارہ دُنیا میں نہ آلیوے اسلئے یہودی منتظر تھے کہ ایلیا کب آسمان سے نازل ہوتا ہے لیکن **ایلیا نازل نہ ہُوا** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ کر دیا کہ مسیح موعود میں ہی ہوں اور یہ بھی کہا کہ یحییٰ نبی ہی ایلیا ہے مگر یہ تاویل یہودیوں کی نظر میں پسندیدہ نہ تھی بلکہ وُہ اِسی طرح حضرت ایلیا کے نزول کے منتظر تھے جیسا کہ آجکل حضرت عیسےٰ کے نزول کے مسلمان منتظر ہیں لیکن باوجود ان سب روکوں کے جو درحقیقت سخت روکیں تھیں خدا تعالیٰ نے اپنے سچّے نبی کو ضائع نہ کیا اور بہت سے نشانوں سے ثابت کر دیا کہ وُہ صادق ہے جس سے بالضرورت نتیجہ نکالنا پڑا کہ مسیح موعود ہی ہے جو آخر سچّا مانا گیا۔

سو عزیزو یقیناً سمجھو کہ صادق کی صداقت ظاہر کرنے کیلئے خدا تعالیٰ کے قدیم قانون میں ایک ہی

راہ ہے اور وہ یہ کہ آسمانی نشانوں سے ایسا ثابت کر دیوے کہ خدا تعالیٰ اُسکے ساتھ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا مقبول ہے۔ اب سوچو کہ اِس عاجز کی طرف سے مسیح موعود ہونے کا **دعویٰ** حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں ہے پھر ذرا غور کرلو کہ یہ تمام بزرگوار نبی کیونکر دُنیا میں تسلیم کئے گئے۔ کیا بذریعہ آسمانی برکات اور تائیدات کے یا کوئی اور طریق تھا سو سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی قدیم سنّت میں تغیّر و تبدل نہیں اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور صرف افترا اور جعلسازی ہے **تو انجام** بہتر نہیں ہوگا اور خدا تعالیٰ ذلّت کے ساتھ ہلاک کریگا اور پھر ابدالدہر تک لعن طعن کا نشانہ بنائے رکھیگا۔ کیونکہ اِس سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں کہ ایک شخص کہے کہ مَیں منجانب اللہ بھیجا گیا ہوں اور دراصل نہیں بھیجا گیا اور کہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے مکالمہ سے مشرف ہوں اور اس کا کلام میرے دِل پر اُترتا ہے اور میری زبان پر جاری ہوتا ہے حالانکہ نہ کبھی اس سے خدا تعالیٰ کا **مکالمہ** واقع ہوا اور نہ کبھی خدا تعالیٰ کا کلام اُسکے دِل پر اُترا اور نہ کبھی اُسکی زبان پر جاری ہوا۔ الا لعنة اللّٰہ علی الکاذبین الذین یفترون علی اللّٰہ وھم فی الدنیا والاٰخرة من المخذولین۔

لیکن اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اُسنے مجھ کو بھیجا ہے اور اُسی کیطرف سے وہ کلام ہے جس کا مجھ کو الہام ہوتا ہے تو مَیں ہرگز ضائع نہ کیا جاؤنگا اور مَیں ہلاک نہیں ہونگا بلکہ خدا تعالیٰ اُسے ہلاک کریگا جو میرے مقابل پر اُٹھے گا اور میرا سدّ راہ ہوگا۔ مَیں متعجب ہوں کہ لوگ مسیح موعود کے لفظ کو کیوں عجیب سمجھتے ہیں اور اِس کا ثبوت کیوں مجھ سے مانگتے ہیں حالانکہ عند العقل یہ بات ممتنعات میں سے نہیں ہے کہ مسیح کی طرز پر اس اُمت میں بھی جو مثیل اُمت موسیٰ ہے کوئی پیدا ہو یہ بات فلاسفروں کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ وجود بنی آدم دَوری ہے اور یہی سنّت اللہ اور قانون قدرت سے ثابت ہوا ہے کہ اِس دُنیا میں بعض بعض کے شبیہ پیدا ہو جاتے ہیں نیکوں کے شبیہ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں اور بدوں کے بھی۔ ہاں منجانب اللہ ہونے کا ثبوت مانگنا چاہیے اُس ثبوت کے ذیل میں تمام ثبوت

آجاتے ہیں۔ دیکھو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں پر ظاہر کیا کہ میں مثیل موسیٰ ہوں۔ اور خداتعالےٰ کا رسول ہوں تو جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہو گئی۔ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل موسیٰ ہونے میں بھی شک نہ رہا اور جیسا وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے ایسا مثیل ہونے پر لائے۔ سو منجانب اللہ اور سچے ملہم ہونے کا ثبوت تمام ثبوتوں کی جڑ ہے۔ مثلاً نبی پر جو کتاب نازل ہوتی ہے اُسکے فقرہ فقرہ کا ثبوت کوئی نہیں مانگتا بلکہ رسالت کے ثابت ہونے سے خود وہ تمام واقعات ثابت ہو جاتے ہیں۔ عزیزو! یہ بات تو نہیں کہ خداتعالےٰ میرے لئے کوئی نرالا قانون بنانا چاہتا ہے۔ خداتعالےٰ کے قدیم قانون کو دیکھو اور اُسکے مطابق سوال کرو۔

پھر ماسوا اِسکے آج کی تاریخ تک جو گیارہ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ مطابق بائیس ستمبر ۱۸۹۳ء اور نیز مطابق ہشتم اسوج سمت ۱۹۵۰۔ اور روز جمعہ ہے اِس عاجز سے تین ہزار سے کچھ زیادہ ایسے نشان ظاہر ہو چکے ہیں جن کے صدہا آدمی گواہ بلکہ بعض پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے تو ہزارہا ہندو اور عیسائی اور دوسرے مخالف مذہب گواہ ہیں اور اگر تحقیق کی رُو سے دیکھو تو بعض نشان ایسے بھی ہیں کہ جنھیں لاکھ ہا دشمن دین اسلام اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں اور اب تک وہ لوگ زندہ موجود ہیں جنہوں نے بکثرت ایسے نشان ملاحظہ کئے جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہیں اور ایسے بھی صدہا موجود ہیں جنہوں نے دُعاؤں کے قبول ہونے کی پیش از وقت خبر سُنی اور پھر اِس امر کو جیساکہ بیان کیا گیا تھا ظاہر ہوتے بھی دیکھ لیا اور ایسے بھی سولہ ہزار کے قریب لوگ ہندوستان اور انگلستان اور جرمن اور فرانس اور روس اور روم میں پنڈتوں اور یہودیوں کے فقیہوں اور مجوسیوں کے پیشرؤں اور عیسائیوں کے پادریوں اور قسیسوں اور بشپوں میں سے موجود ہیں جنکو رجسٹری کرا کر اِس مضمون کے خط بھیجے گئے کہ درحقیقت دُنیا میں دین اسلام ہی سچا ہے اور دُوسرے تمام دین اصلیت اور حقانیت سے دُور جا پڑے ہیں کسی کو مخالفوں میں سے اگر شک ہو تو ہمارے مقابل پر آوے اور ایک سال تک رہکر دین اسلام کے نشان ہم سے ملاحظہ

کرے۔ اور اگر ہم خطا پر نکلیں تو ہم سے بحساب دو سو روپیہ ماہواری ہرجانہ اپنے ایک برس کا لے لے ورنہ ہم اُس سے کچھ نہیں مانگتے صرف دین اسلام قبول کرے اور اگر چاہے تو اپنی تسلّی کے لئے وہ روپیہ کسی بنک میں جمع کرالے لیکن کسی نے اس طرف رُخ نہ کیا۔ اب ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی نصرت پر ایسا کامل یقین نہ رکھتا کہ جو متواتر مشاہدات اور ذاتی تجارب کے بعد ہوتا ہے تو کیونکر ممکن ہوتا کہ اسلام کے تمام مخالفوں کے مقابل پر یعنے اُن لوگوں کے مقابل پر جو رُوئے زمین پر نامی مخالف مذہب اور اپنی قوموں کے مقتدیٰ تھے اکیلا کھڑا ہو جاتا ظاہر ہے کہ ضعیف البنیان انسان اپنے نفس میں ہرگز ایسی طاقت نہیں رکھتا کہ سارے جہان کا مقابلہ کر سکے۔ پھر بجز اپنے کامل یقین اور ذاتی تجارب کے اور کیا چیز تھی جس نے اس پیشقدمی کے لئے اس عاجز کو جُرأت بخشی اور نہ صرف زبانی بلکہ دو ہزار روپیہ کے قریب ان اشتہارات کے طبع میں جو انگریزی اور اُردو میں چھاپے گئے تھے اور ایسا ہی اُنکی روانگی میں جو ہندوستان اور یورپ کے مُلکوں کی طرف رجسٹری کراکر خط بھیجے جاتے تھے خرچ ہوا۔ مگر کسی کو جُرأت نہ ہوئی کہ مقابل پر آوے۔ اور دشمنوں کے دلوں پر ہیبت پڑنا یہ بھی ایک نشان تھا۔ امتحان کے طور پر اس زمانہ کے کسی پادری صاحب وغیرہ کو پُوچھکر دیکھو کہ کیا دعوت اسلام کیلئے رجسٹری شدہ خط اُن کے پاس نہیں پہنچا۔ پھر سوچ لو کہ جو شخص کئی ہزار روپیہ صرف اشتہارات کی طبع اور اُنکے مصارف روانگی میں خرچ کرے اور دشمن کے لئے ایک رقم کثیر بطور انعام بصورت فتح دشمن مقرر کرے کیا عند العقل ایسے شخص کا صرف جھوٹ اور کذب اور افترا پر مدار ہو سکتا ہے کیا آجتک دُنیا میں کوئی ایسا مفتری کتابوں میں پڑھا گیا یا سُنا گیا یا دیکھا گیا بھلا کوئی نظیر تو دو۔ عزیزو! یقیناً سمجھو کہ جبتک خدا کسی کے ساتھ نہ ہو یہ استقامت اور یہ شجاعت اور یہ بذل مال ہرگز وقوع میں آہی نہیں سکتے کبھی کسی نے اس زمانہ کے کسی مولوی کو دیکھا یا سُنا کہ اُس نے دعوتِ اسلام کے لئے کسی اسسٹنٹ کمشنر انگریز کی طرف ہی کوئی خط بھیجا لیکن اسجگہ نہ صرف اسقدر بلکہ پارلیمنٹ لنڈن اور شاہزادہ ولیعہد ملکہ معظمہ اور شہزادہ بسمارک کی خدمت میں بھی دعوتِ

اسلام کے اشتہار اور خطوط بھیجے گئے جنکی رسیدیں ابتک موجود ہیں۔ ان اشتہارات میں جن کے شائع کرنے پر قریباً عرصہ دس برس کا گذر چکا ہے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ یہ عاجز حضرت مسیح ابن مریم سے انکے کمالات میں مشابہ ہے اور سوچنے والے کیلئے یہ ایک اور دلیل اس عاجز کی سچائی پر ہے کیونکہ اگر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ صرف انسان کا منصوبہ ہوتا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ مسیح موعود کے دعویٰ کرنے سے دس برس بلکہ بارہ برس پہلے اُس دعویٰ کے مؤید متواتر الہامات اپنی طرف سے شائع کئے جاتے کیونکہ ہریک شخص سمجھ سکتا ہے کہ عادتاً انسان میں اتنی پیش بندیوں کی طاقت نہیں کہ جو کام یا دعویٰ ابھی بارہ برس کے بعد ظہور میں آنا ہے پہلے ہی سے اُسکی بنیاد قایم کی جائے اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ خدا تعالیٰ ایسے ظالم مفتری کو اتنی لمبی مہلت بھی دیدے جسے آجتک بارہ برس گذر چکے ہوں اور مفتری ایسا اپنے افترا میں بیباک ہو جس نے پہلے ہی سے ارادہ کیا ہو جو بارہ برس کے بعد ایسا دعویٰ کرونگا اور اُس دعویٰ کی بنیاد بارہ برس پہلے ہی یہ رکھی ہو کہ میں ضرور مثیل مسیح ہوں اور نہ صرف یونہی بلکہ الہام کے حوالہ سے اپنے تئیں مثیل مسیح قرار دیا ہو اور کمالات میں اُسکے مشابہ اپنے تئیں ٹھہرایا ہو اور اُسکے جوہر ذاتی کا ایک ٹکڑہ اپنے تئیں سمجھا ہو اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ کھلا کھلا اور وانشگاف طور پر بارہ برس پہلے اپنے دعویٰ مسیح ہونے سے اپنی کتاب میں (یعنے براہین احمدیہ میں) یہ شائع کیا ہو کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ رکھ دیا ہے اور مجھ کو وعدہ دیا ہے کہ میں تجھے تیری طبعی موت سے مارونگا اور پھر اپنی طرف تجھے اُٹھالونگا اور منکروں کے تمام الزاموں سے تجھے بری کرونگا اور تیرے تابعین کو قیامت تک تیرے دشمنوں پر غالب رکھونگا اور خدا تعالیٰ اُسکو نہ صرف مہلت بلکہ الہامی نشانوں سے اُسکی مدد بھی کرے اور اُسکے لئے ایک جماعت طیار کردے حالانکہ وہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ میں مفتری کو مدد نہیں دیتا اور وہ جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور اُسکی جماعت متفرق کی جاتی ہے بلکہ سید الرسل کو اُس نے کہا کہ اگر تو ایک ذرہ افترا کرتا تو تیری شاہ رگ کاٹ دیجاتی پس اگر یہ بات سچ

نہیں ہو کہ خدا تعالیٰ مفتری کو جو جھوٹا مُرسل بنکر خلق اللہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے بہت جلد پکڑ لیتا ہے تو اِس صُورت میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہ استدلال صحیح نہیں ہو سکتا کہ اگر آنحضرتؐ نعوذ باللہ مُفتری ہوتے تو خدا تعالیٰ انکو پکڑتا پھر باوجود اِس لمبی مہلت اور خدا تعالیٰ کی صدہا تائیدوں اور صدہا نشانوں کے مخالفوں نے بھی اِس عاجز پر نزول عذاب کے لئے ہزارہا دُعائیں کیں اور اپنے مباہلہ میں بھی رو رو کر اِس عاجز پر عذاب نازل ہونا چاہا مگر بجز رسوائی اور ذلّت کے اُنکو کچھ بھی نصیب نہ ہوا اور اللہ جلشانہٗ جانتا ہو کہ ہم نے کسی مباہلہ میں کسی دشمن پر عذاب نازل ہونا نہیں چاہا اور نہ عبدالحق غزنوی کے لئے جس نے بمقام امرتسر مباہلہ کیا تھا اُسکی موت کیلئے بددُعا کی مگر اُس نے بہت کچھ جزع فزع کیا اور ہمارا مدعا مباہلہ سے یہی تھا اور اب تک یہ ہی ہے کہ آسمانی نشانیاں اِس عاجز کی تائید میں عام طور پر ظاہر ہوں اور مخالف مباہل کی ذلّت اور رُسوائی کیلئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک مقام میں ہماری فتح ظاہر کرے۔ غرض یہ تمام صداقت کے نشان ہیں مگر اُسکے لئے جو غور کرے۔ افسوس کہ مجھ سے بار بار پُوچھا جاتا ہو کہ تمہارے دعویٰ مسیح موعود ہونے پر دلیل کیا ہو مگر ایسے لوگ نہیں سمجھتے کہ حضرت عیسٰےؑ کے موعود ہونے پر اور ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیّین موعود ہونے پر کیا دلیل تھی۔ کیا یہی نہ تھی کہ بہت سے نشانوں سے خدا تعالیٰ نے اُنکا صادق ہونا ثابت کر دیا اور حضرت مسیح کو گو یہودیوں نے قبول نہ کیا اور آجتک یہی کہتے ہیں کہ وہ مسیح موعود نہ تھا مگر اُن کے معجزات اور نشانوں سے منجانب اللہ ہونا ثابت ہو گیا * ضروری مطالبہ تو صادق اور منجانب اللہ ہونے پر ہوتا ہے اور مثلیت کا ثبوت

---

* حاشیہ۔ ایک صاحب ہدایت اللہ نام جنہوں نے انکار معجزات عیسوی کا الزام اِس عاجز کو دیکر ایک رسالہ میں شائع کیا ہو وُہ اپنے زعم میں ہماری کتاب ازالہ اوہام کی بعض عبارتوں سے یہ نکالتے ہیں کہ گویا ہم نعوذ باللہ سرے سے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات سے منکر ہیں مگر واضح رہے کہ ایسے لوگوں کی

تو اسی کے ذیل میں آجاتا ہے باوجود اسکے تمام لوازم موجود بلند آواز سے یہی پکار رہے ہیں کہ اس صدی کا مجدد و مسیح موعود ہو کیونکہ خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے جو مسیح موعود کے زمانہ کے نشان ٹھہرائے تھے وہ سب اس زمانہ میں پورے ہو گئے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ عیسائی سلطنت تمام دنیا کی ریاستوں کو نگلتی جاتی ہے اور ہر ایک نوع کی بلندی انکو حاصل ہے اور مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ[1] کا

بقیہ حاشیہ اپنی نظر اور فہم کی غلطی ہے ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کے صاحب معجزات ہونے سے انکار نہیں بیشک اُن سے بھی بعض معجزات ظہور میں آئے ہیں اور گو انجیل کے دیکھنے سے اُنکے معجزات پر بہت کچھ دھبہ لگتا ہے جیساکہ تالاب کے قصہ اور خود اُنکے بار بار کے انکار سے کہ میں صاحب معجزات نہیں مگر ہمیں انجیل سے کیا کام۔ قرآن کریم سے بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ بعض نشان اُنکو دیئے گئے تھے ہاں ہمارے کم توجہ علماء کی یہ غلطی ہے کہ اُنکی نسبت وہ گمان کرتے ہیں کہ گویا وہ بھی خالق العالمین کی طرح کسی جانور کا قالب تیار کر کے پھر اُس میں پھونک مارتے تھے اور وہ زندہ ہو کر اُڑ جاتا اور مُردہ پر ہاتھ رکھتے تھے اور وہ زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگتا تھا اور غیب دانی کی بھی اُن میں طاقت تھی اور ابتک مرے بھی نہیں مع جسم آسمان پر موجود ہیں اور اگر یہ باتیں جو اُنکی طرف نسبت دیگئی ہیں صحیح ہوں تو پھر اُنکے خالق العالم اور عالم الغیب اور محی اموات ہونے میں کیا شک رہا۔ پس اگر اس صورت میں کوئی عیسائی انکی الوہیت پر استدلال کرے اس بنا پر کہ لوازم شے کا پایا جانا وجود شے کو مستلزم ہے تو ہمارے بھائی مسلمانوں کے پاس اسکا کیا جواب ہے۔ اگر کہیں کہ دعا سے ایسے معجزات ظہور میں آئے تھے تو یہ کلام الٰہی پر زیادت ہے کیونکہ قرآن کریم سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مثلاً پھونک مارنے سے وہ چیز جو ہیئت طیر کی طرح بنائی جاتی تھی اُڑنے لگتی تھی **دُعا** کا تو قرآن کریم میں کہیں بھی ذکر نہیں اور نہ یہ ذکر ہے کہ اُس ہیئت طیر میں درحقیقت جان پڑ جاتی تھی۔ یہ تو نہیں چاہیئے کہ اپنی طرف سے کلام الٰہی پر کچھ زیادت کریں یہی تو تحریف ہے جسکی وجہ سے یہودیوں پر لعنت ہوئی۔ پھر جس حالت میں جان پڑنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ معالم التنزیل اور بہت سی اور تفسیروں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہیئت طیر تھوڑی دیر اُڑ کر پھر مٹی کی طرح زمین پر گر پڑتی تھی تو بجز اس کے اور کیا سمجھا جائے کہ وہ دراصل مٹی کی مٹی ہی تھی۔ اور جس طرح مٹی کے کھلونے انسانی کلوں سے چلتے پھرتے ہیں وہ ایک

[1] الانبیاء: ۹۷

مصداق ہیں اور اسلام کی دینی دنیوی حالت ایسی ہی ابتر ہوگئی ہے جیساکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی حالت ابتر تھی اور جیساکہ مسیح ایسے وقت میں آیا کہ اُسوقت دین کیلئے تلوار اُٹھانا بالکل نامناسب تھا وجہ یہ کہ یہودی اپنی بدچلنی سے اپنے ملک کو کھو بیٹھے تھے اور رومی سلطنت کا ملک گیری میں کچھ قصور نہ تھا تا اُنپر تلوار اُٹھائی جاتی۔ یہی حال آجکل ہے کہ مُسلمانوں کے بادشاہوں نے آپ بے اعتدالیاں کرکے اور نالائق عیشوں میں مبتلا ہوکر اپنا ملک کھویا بلکہ اُنمیں ملکداری کی لیاقت ہی باقی نہ رہی سو خدا تعالیٰ نے انگریزوں کو ملک دیا اور انہوں نے ملک لیکر کچھ ظلم نہ کیا کسی کا نماز روزہ بند نہ کردیا کسی کو حج جانے سے منع نہ کیا۔ بلکہ عام آزادی اور امن قائم کیا۔ پھر اُنپر باوجود محسن ہونیکے کیونکر خدائے کریم ورحیم تلوار اُٹھانیکا فتویٰ دیتا کیا اسکے پاس دین پھیلانے کا ذریعہ صرف ظاہر تلوار تھی رُوحانی تلوار نہ تھی پھر اسپر طرہ یہ کہ اِسوقت تلوار کا ایمان کچھ معتبر نہیں انگریزوں نے تلوار سے کسی کو اپنے مذہب میں داخل نہیں کیا تا تلوار کا جواب تلوار ہوتا بلکہ لوگ نئے فلسفہ اور نئے طبعی اور پادریوں کے وساوس سے ہلاک ہوئے

بقیہ حاشیہ نبی کی رُوح کی سرایت سے پرواز کرتے تھے ورنہ حقیقی خالقیت کے ماننے سے عظیم الشان فساد اور شرک لازم آتا ہے۔ غرض تو معجزہ سے ہے اور بیجان کا باوجود بیجان ہونے کے پرواز یہ بڑا معجزہ ہے۔ ہاں اگر قرآن کریم کی کسی قرأت میں اس موقعہ پر فیکون حیًّا کا لفظ موجود ہے یا تاریخی طور پر ثابت ہے کہ درحقیقت وہ زندہ ہوجاتے تھے اور انڈے بھی دیتے تھے اور ابتک اُنکی نسل سے بھی بہت سے پرندے موجود ہیں تو پھر ان کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ اگر تمام دُنیا چاہے کہ ایک مکھی بنا سکے۔ تو نہیں بن سکتی کیونکہ اس سے تشابہ فی خلق اللہ لازم آتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ نے آپ ان کو خالق ہونے کا اذن دے رکھا تھا یہ خدا تعالیٰ پر افترا ہے کلام الٰہی میں تناقض نہیں خدا تعالیٰ کسی کو ایسے اذن نہیں دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکھی بنانے کا بھی اذن نہ دیا۔ پھر مریم کے بیٹے کو یہ اذن کیونکر حاصل ہوا۔ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور مجاز کو حقیقت پر حمل نہ کرو۔ منہ

سو اسکا جواب اسلام کی حقانیت کا ثبوت دینا ہے نہ یہ کہ لوگوں پر تلوار چلانا۔ لہذا خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی حالت کے ہمرنگ پاکر اُنکے لئے حضرت مسیح کی مانند بغیر سیف و سنان کے مصلح بھیجا اور اُس مصلح کو دجالیت کے دور کرنیکے لئے صرف آسمانی حربہ دیا اور جیسا کہ عیسٰی عند منارۃ دمشق کے لفظوں سے چودہ سو کا عدد مفہوم ہوتا ہے وہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر آیا اور جیسا کہ آخرین منھم لما یلحقوا بھم کے عدد سے ۱۲۷۵ نکلتے ہیں اسی زمانہ میں وہ اصلاح خلق کے لئے طیار کیا گیا۔ اور جیسا کہ قرآن کریم نے بشارت دی کہ امواج فتن نصاریٰ کے وقت میں نفخ صور ہوگا ایسا ہی اُسکا ظہور ہوا اور کئی بندگان خدا نے الہام پاکر اُسکے ظہور سے پہلے اُسکے آنے کی خبر دی بلکہ بعض نے بتیس برس پہلے اُسکے ظہور سے اُسکا نام بتلایا اور یہ کہا کہ مسیح موعود یہی ہے اور اصل عیسٰی فوت ہو چکا ہے اور بہت سے صاحب مکاشفات نے چودھویں صدی کو مسیح موعود کے آنیکا زمانہ قرار دیا اور اپنے الہامات لکھ گئے۔ اب اسکے بعد ایسے اُمور ہیں جنمیں ایمان بالغیب کی بھی کچھ گنجایش رکھ لینی چاہیئے اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

پھر ماسوا اسکے بعض اور عظیم الشان نشان اس عاجز کی طرف سے معرض امتحان میں ہیں جیسا کہ منشی عبد اللہ آتھم صاحب امرتسری کی نسبت پیشگوئی جسکی میعاد ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینہ تک اور پنڈت لیکھرام پشاوری کی موت کی نسبت پیشگوئی جسکی میعاد ۱۸۹۳ء سے چھ سال تک ہے اور پھر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے داماد کی موت کی نسبت پیشگوئی جو پٹی ضلع لاہور کا باشندہ ہے جسکی میعاد آج کی تاریخ سے جو اکیس ستمبر ۱۸۹۳ء ہے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی ہے یہ تمام امور جو انسانی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت کے لئے کافی ہیں کیونکہ احیا اور اماتت دونوں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور جبتک کوئی شخص نہایت درجہ کا مقبول نہ ہو خدا تعالیٰ اُسکی خاطر سے کسی اُسکے دشمن کو اُسکی دعا سے ہلاک نہیں کر سکتا خصوصاً ایسے موقع پر کہ وہ شخص اپنے تئیں منجانب اللہ قرار دیوے اور اپنی اُس کرامت کو اپنے صادق ہونے کی دلیل ٹھہراوے۔ سو پیشگوئیاں کوئی معمولی بات نہیں کوئی ایسی بات نہیں جو

انسان کے اختیار میں ہو بلکہ محض اللہ جلّشانہ، کے اختیار میں ہیں سو اگر کوئی طالب حق ہے تو اِن پیشگوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔ یہ تینوں پیشگوئیاں ہندوستان اور پنجاب کی تینوں بڑی قوموں پر حاوی ہیں یعنی ایک مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے اور ایک ہندوؤں سے اور ایک عیسائیوں سے اور ان میں سے وہ پیشگوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اِسکے اجزاء یہ ہیں (۱) کہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو (۲) اور پھر داماد اُس کا جو اُسکی دُختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو (۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو (۵) اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی اِن تمام واقعات کے پُورے ہونے تک فوت نہ ہو (۶) اور پھر یہ کہ اِس عاجز سے نکاح ہو جاوے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔

اور اگر اب بھی یہ تمام ثبوت میاں عطا محمد صاحب کے لئے کافی نہ ہوں تو پھر طریق سہل یہ ہے کہ اِس تمام رسالہ کو غور سے پڑھنے کے بعد بذریعہ کسی چھپے ہُوئے اشتہار کے مجھ کو اطلاع دیں کہ میری تسلّی اِن اُمور سے نہیں ہُوئی اور مَیں ابھی تک افترا سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری نسبت کوئی نشان ظاہر ہو تو مَیں انشاء اللہ القدیر اُنکے بارہ میں توجہ کرونگا اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی مخالف کے مقابل پر مجھے مغلوب نہیں کریگا کیونکہ مَیں اُسکی طرف سے ہوں اور اُسکے دین کی تجدید کیلئے اُسکے حکم سے آیا ہوں لیکن چاہیئے کہ وہ اپنے اشتہار میں مجھے عام اجازت دیں کہ جس طور سے مَیں اُنکے حق میں الہام پاؤں اُسکو شائع کرادوں اور مجھے تعجب ہے کہ جس حالت میں مسلمانوں کو کسی مجدّد کے ظاہر ہونے کے وقت خوش ہونا چاہیئے یہ پیچ و تاب کیوں ہے اور کیوں انکو بُرا لگا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے دین کی حُجّت پُوری کرنے کیلئے ایک شخص کو مامور کر دیا ہے لیکن مجھے معلوم ہُوا ہے کہ حال کے اکثر مسلمانوں کی ایمانی حالت نہایت ردّی ہو گئی ہے اور فلسفہ کی موجودہ زہر نے اُنکے اعتقاد کی بیخکنی کر دی ہے اُنکی زبانوں پر بیشک اسلام ہے لیکن دل اسلام سے بہت دُور جا پڑے

لہ "اور" سے لیکر "رکھتی ہے" تک طبع بار دوم میں موجود نہیں۔ ناشر

ہیں خدائی کلام اور الٰہی قدرتیں انکی نظر میں ہنسی کے لائق ہیں۔ ایسا ہی میاں عطا محمد کا حال ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب بمقام امرتسر مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب کو انکی موت کی نسبت پیشگوئی سُنائی گئی تو میاں عطا محمد نے میرے فرودگاہ میں آکر میرے رُوبرو ایک مثال کے طور پر بیان کیا کہ ایک ڈاکٹر نے میری موت کی خبر دی تھی کہ اتنی مدت میں عطا محمد فوت ہو جائیگا مگر وہ مدت بخیر ہے گذر گئی اور میں نے اسکے بعد ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر اُنکو سلام کیا اُس نے کہا کہ تو کون ہے۔ میں نے کہا وہی عطا محمد جسکے مرنے کی آپنے پیشگوئی کی تھی۔ مطلب یہ کہ یہ تمام اُمور جھوٹ اور لغو ہیں۔ مگر میاں عطا محمد کو یاد رہے کہ ڈاکٹر کی مثال اس جگہ دینا صرف اس قدر ثابت کرتا ہو کہ آسمانی روشنی سے آپ بکلی بے خبر ہیں بیشک ایک ہستی موجود ہو جس کا نام خدا ہے اور وہ اپنے سچّے مذہب کی تائید میں نہ صرف کسی زمانہ محدود تک بلکہ ہمیشہ ضرورت کے وقت میں آسمانی نشان دکھلاتا ہے اور دُنیا کا ایمان نئے سرے قائم کرتا ہے۔ ڈاکٹر کی مثال سے ظاہر ہے کہ آپ کا اُس خدا پر ایمان کس قدر ہے۔ اب میں مناسب دیکھتا ہوں کہ اس رسالہ کو اسی جگہ ختم کر دوں۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَّ ظَاہِرًا وَّ بَاطِنًا ھُوَ مَوْلٰنَا۔
نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ۔

اَلْمُؤَلِّفُ

عاجز غلام احمدؐ قادیانی

۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء مقام قادیان روز جمعہ

گورنمنٹ کی توجّہ کے لائق

یہ عاجز صاف اور مختصر لفظوں میں گذارش کرتا ہو کہ بباعث اسکے کہ گورنمنٹ انگریزی کے احسانات میرے والد بزرگوار میرزا غلام مرتضٰی مرحوم کے وقت سو آجتک اس خاندان کے شامل حال ہیں اس لئے نہ کسی تکلّف سو بلکہ میرے رگ و ریشہ میں شکر گذاری اس معزز گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہو میرے والد مرحوم کی سوانح میں سو وہ خدمات کسی طرح الگ ہو نہیں سکتیں جو وہ خلوص دل سے اِس گورنمنٹ کی خیر خواہی میں بجالائے۔ اُنہوں نے اپنی حیثیت اور مقدرت کے موافق ہمیشہ گورنمنٹ کیخدمت گذاری میں اسکی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے وقت وہ صدق اور وفاداری دکھلائی کہ جبتک انسان سچے دل اور نہ دِل سو کسی کا خیر خواہ نہ ہو ہرگز دکھلا نہیں سکتا سن ستاون کے مفسدہ میں جبکہ بے تمیز لوگوں نے اپنی محسن گورنمنٹ کا مقابلہ کرکے ملک میں شور ڈال دیا تب میرے والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کرکے اور پچاس سوار بہم پہنچاکر گورنمنٹ کیخدمت میں پیش کئے اور پھر ایکدفعہ چودہ سوار سو خدمتگذاری کی اور انھیں مخلصانہ خدمات کیوجہ سے وُہ اس گورنمنٹ میں ہردلعزیز ہوگئے چنانچہ جناب گورنر جنرل کے دربار میں عزّت کے ساتھ اُنکو کرسی ملتی تھی اور ہریک درجہ کے حکام انگریزی بڑی عزّت اور دلجوئی سے پیش آتے تھے انھوں نے میرے بھائی کو صرف گورنمنٹ کی خدمتگذاری کے لئے بعض لڑائیوں پر بھیجا اور ہر ایک باب میں گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل کی اور اپنی تمام عمر نیک نامی کے ساتھ بسر کرکے اِس ناپائیدار دُنیا سو گذر گئے بعد اسکے اِس عاجز کا بڑا بھائی میرزا غلام قادر جس قدر مدّت تک زندہ رہا اُس نے بھی اپنے والد مرحوم کے قدم پر قدم مارا اور گورنمنٹ کی مخلصانہ خدمت میں بدل و جان مصروف رہا پھر وہ بھی اِس مسافرخانہ سے گذر گیا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اب بھی بہت سے حکّام انگریز بقید حیات ہونگے جنھوں نے میرے والد صاحب کو دیکھا اور اُنکی مخلصانہ خدمات کو بچشم خود مشاہدہ کیا ہے۔

چنانچہ منجملہ اُنکے مسٹر گریفن ہیں جنھوں نے رئیسانِ پنجاب کے بارہ میں ایک کتاب بھی لکھی ہے اور اسمیں میرے والد صاحب کا بھی خیر اور خوبی سے ذکر کیا ہے۔

اب میری حالت یہ ہے کہ بعد وفات پا جانے ان عزیزوں اور بزرگوں کے خدا تعالیٰ نے میرے دل کو دُنیا سے پھیر دیا اور مَیں نے چاہا کہ خدا تعالیٰ سے میرا معاملہ کامل طور کی سچائی اور صدق اور محبت سے ہو۔ سو اُس نے میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دیا مگر نہ میری کوشش سے بلکہ اپنے فضل سے۔ تب مَیں نے چاہا کہ جہانتک میرے لئے ممکن ہے معرفت اور محبت الٰہی میں ترقی کروں اور صحیح طور پر معلوم کروں کہ خدا کون ہے اور اُسکی رضا کن باتوں میں ہے سو مَیں نے ہریک تعصب سے دل کو پاک کیا اور ہریک آلودگی سے آنکھ کو صاف کر کے دیکھا اور خدا تعالیٰ سے مدد چاہی تب میرے پر کُھل گیا اور خدا تعالیٰ نے اپنے پاک الہام سے مجھے آگاہی بخشی کہ خدا وہ ذات ہے جو اپنی تمام صفات میں کامل ہے اور ازل سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی طریق پر چلا آتا ہے نہ اُسمیں حدوث ہے نہ وہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے اور کوئی پیدا ہونیوالا اور مرنیوالا بجز عبودیت کے کوئی ایسا تعلق اُس سے نہیں رکھتا جسے کہا جائے کہ وہ اُسکی خدائی کا حصہ دار ہے بلکہ ایسا خیال کرنا اُس ذات کے انکار سے بھی بدتر اور انسان کی تمام بدکاریوں سے بڑھ کر ایک سخت درجہ کا بُرا خیال ہے۔ یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے سب سے زیادہ مرتبہ پر وہ لوگ ہیں جنکا نام نبی یا رسول ہے بیشک وہ خدا تعالیٰ کے پیارے ہیں مقبول ہیں نہایت درجہ کے عزت دار ہیں اُسی میں کھوئے گئے اور اُسی کا روپ بنگئے اور خدا تعالیٰ کا جلال اُنمیں سے ظاہر ہوا اور خدا اُنمیں اور وہ خدا میں مگر تاہم اُنمیں سے ہم حقیقتاً نہ کسی کو خدا کہہ سکتے ہیں اور نہ خدا کا بیٹا بلا شبہ اِس اختلاف میں مسلمان حق پر ہیں اور عیسائی غلطی پر۔ مگر یہ غلطی اِس زمانہ میں عیسائیوں میں قائم رہنے والی نظر نہیں آتی انگریز ایک ایسی قوم ہے جنکو خدا تعالیٰ دن بدن اقبال اور دولت اور عقل اور دانش کیطرف کھینچنا چاہتا ہے اور جو سچائی اور راستبازی اور انصاف میں روز بروز ترقی کرتے جاتے ہیں اور علوم جدیدہ اور قدیمہ کا تو گویا ایک چشمہ ہیں اسلئے اُمید قوی ہے کہ خدا تعالیٰ یہ دولت بھی اِنھیں دیگا بلکہ میری دانست

میں تو دلوں کو اندر ہی اندر دیدی ہے بہرحال جبکہ ہمارے نظام بدنی اور امور دنیوی میں خداتعالے نے اس قوم میں سے ہمارے لئے گورنمنٹ قائم کی اور ہمنے اس گورنمنٹ کے وُہ احسانات دیکھے جن کا شکر کرنا کوئی سہل بات نہیں اسلئے ہم اپنی معزز گورنمنٹ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس گورنمنٹ کے اسی طرح مخلص اور خیر خواہ ہیں جس طرح کہ ہمارے بزرگ تھے۔ ہمارے ہاتھ میں بجز دُعا کے اور کیا ہی سو ہم دُعا کرتے ہیں کہ خداتعالیٰ اس گورنمنٹ کو ہر یک شر سے محفوظ رکھے اور اُسکے دشمن کو ذلّت کے ساتھ پسپا کرے۔ خُداتعالیٰ نے ہمپر محسن گورنمنٹ کا شکر ایسا ہی فرض کیا ہی جیساکہ اُسکا شکر کرنا سو اگر ہم اس محسن گورنمنٹ کا شکر ادا نہ کریں یا کوئی شر اپنے ارادہ میں رکھیں تو ہمنے خُداتعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کیا کیونکہ خُداتعالیٰ کا شکر اور کسی محسن گورنمنٹ کا شکر جسکو خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو بطور نعمت کے عطا کرے۔ درحقیقت یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور ایک دوسری سے وابستہ ہیں اور ایک کے چھوڑنے سے دُوسری کا چھوڑنا لازم آجاتا ہی بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا دُرست ہے یا نہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ سوال اُنکا نہایت حماقت کا ہی کیونکہ جسکے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اُس سے جہاد کیسا۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہی۔ سو میرا مذہب جسکو مَیں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہی کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خداتعالیٰ کی اطاعت کریں دُوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ ہم یورپ کی قوموں کے ساتھ اختلاف مذہب رکھتے ہیں اور ہم ہرگز خداتعالیٰ کی نسبت وُہ باتیں پسند نہیں رکھتے جو انھوں نے پسند کی ہیں۔ لیکن ان مذہبی امور کو رعیّت اور گورنمنٹ کے رشتہ سے کچھ علاقہ نہیں۔

خداتعالیٰ ہمیں صاف تعلیم دیتا ہے کہ جس بادشاہ کے زیر سایہ امن کے ساتھ بسر کرو اُس کے شکرگذار اور فرمانبردار بنے رہو۔ سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں اس صورت میں ہم سے زیادہ بددیانت کون ہوگا کیونکہ خداتعالےٰ کے قانون اور شریعت کو ہم نے چھوڑ دیا۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں میں بہت ایسے لوگ ہیں جنکا مذہبی تعصب اُنکے عدل اور انصاف پر غالب آگیا ہے۔ یہانتک کہ وہ اپنی جہالت سے ایک ایسے خونخوار مہدی کے انتظار میں ہیں کہ گویا وہ زمین کو مخالفوں کے خون سے سُرخ کردیگا اور نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی اُنکا خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی آسمان سے اسی غرض سے اُتریں گے کہ جو مہدی کے ہاتھ سے یہود و نصاریٰ زندہ رہ گئے ہیں اُنکے خون سے بھی زمین پر ایک دریا بہادیں لیکن یہ خیالات بعض مسلمانوں مثلاً شیخ محمد حسین بٹالوی اور اسکی جماعت کے سراسر غلط اور کتاب اللہ کے مخالف ہیں۔ یہ نادان خون پسند ہیں اور محبت اور خیرخواہی خلق اللہ کی سر مُو ان میں نہیں لیکن ہمارا سچا اور صحیح مذہب جسپر ہمیں یہ لوگ کافر ٹھہراتے ہیں یہ ہے کہ مہدی کے نام پر آنیوالا کوئی نہیں ہاں مسیح موعود آگیا مگر کوئی تلوار نہیں چلیگی اور امن سے اور سچائی سے اور محبت سے زمانہ توحید کی طرف ایک پلٹا کھائیگا اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ زمین پر نہ رامچندر پوجا جاویگا نہ کرشن اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام۔ اور سچے پرستار اپنے حقیقی خدا کی طرف رُخ کرلیں گے اور یاد رہے کہ جس بادشاہ کے زیر سایہ ہم باامن زندگی بسر کریں اُسکے حقوق کو نگاہ رکھنا فی الواقعہ خدا کے حقوق ادا کرنا ہے اور جب ہم ایسے بادشاہ کی دلی صدق سے اطاعت کرتے ہیں تو گویا اُس وقت عبادت کر رہے ہیں کیا اسلام کی یہ تعلیم ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے محسن سے بدی کریں اور جو ہمیں ٹھنڈے سایہ میں جگہ دے اُسپر آگ برساویں اور جو ہمیں روٹی دے اُسے پتھر ماریں ایسے انسان سے اور کون زیادہ بدذات ہوگا کہ جو احسان کرنیوالے کے ساتھ بدی کا خیال بھی دل میں لاوے۔

اِس تمام تمہید سے مُدعا یہ ہی کہ گورنمنٹ کو یاد رہے کہ ہم تہ دِل سے اُسکے شکر گذار ہیں اور بہمہ تن اُسکی خیر خواہی میں مصروف ہیں اور مَیں نے سُنا ہی کہ ایک شخص ساکن بٹالہ ضلع گورداسپورہ نے جو اپنے تئیں مولوی ابو سعید محمد حسین کر کے مشہور کرتا ہی اس اختلاف رائے کے سبب سے جو بعض جزدی مسائل میں وہ اِس عاجز کے ساتھ رکھتا ہی میری نسبت اپنی سخت دشمنی کی وجہ سے اور سراسر بے انصافی اور درندگی کے جوش سے خلاف واقعہ باتیں گورنمنٹ کو بدظن کرنے کیلئے لکھتا ہی اور میرے خاندان کی مخلصانہ اور خیر خواہی کے تعلّق کو جو گورنمنٹ سے ہے غلط بیان کرتا اور چھپاتا اور اپنے افتراؤں کے نیچے دبانا چاہتا ہے اور محض عداوت اور حسد ذاتی کی تحریک سے اِس بات پر زور دیتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ یہ عاجز گورنمنٹ کا سچّا خیر خواہ نہیں ہی۔ یہ نادان ذرہ خیال نہیں کرتا کہ جھوٹے منصوبوں اور بے بُنیاد افتراؤں میں ہرگز وہ قوت پیدا نہیں ہوتی کہ جو سچ میں قدرتی طور پر پائی جاتی ہے۔ سچ کی طاقت کا ایک کرشمہ جھوٹ کے پہاڑ کو ذرہ ذرہ کر کے دکھا دیتا ہی اور نیز جو جھوٹ میں ہٹ دھرمی اور بے ایمانی کی عفونت ہوتی ہی وہ حکام کی خداداد قوت شامہ سے چھپ بھی نہیں سکتی۔ اور اگرچہ یہ تمام افترا اُسکے اِس قسم کے تھے کہ ازالہ حیثیت عرفی کیوجہ سے عدالت کے ذریعہ سے اِسکی اِن تمام چالاکیوں کا تدارک کرایا جائے لیکن بالفعل یہی مناسب سمجھا گیا کہ معزز گورنمنٹ کو اِس شخص کے اِن افتراؤں سے **اطلاع** دیجائے اور امید ہی کہ دانا گورنمنٹ ادنیٰ توجہ سے اسکے ان بہتانات کو بخوبی سمجھ جائے گی اور وزن کر لیگی اور جانچ لیگی اور ایسے مفسد کا تدارک نہایت ضروری ہی۔ تا آئندہ کوئی خبیث نفس ایسی حرکات ناشائستہ کیطرف جُرأت نہ کرے۔ ہماری دانا اور عادل گورنمنٹ اِس بات سے بیخبر نہیں ہی کہ ہریک مخبر کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ جس معاملہ میں وہ قطعی طور پر گورنمنٹ کو اطلاع دیوے اور اپنی طرف سے قطعی رائے ظاہر کرے تو اس سے پہلے وہ اِس معاملہ کو کما حقہ تحقیق بھی کر لیوے۔ اب عادل گورنمنٹ اگر چاہے تو ایک خیر خواہ خاندان کیلئے جسکو اُس نے اپنی خوشنودی کی اعلیٰ درجہ کی اسناد دے رکھی ہے یہ تکلیف اُٹھا سکتی ہی کہ اِس دروغگو مخبر کو جو بذریعہ اپنے رسالہ اشاعت کے خلاف واقعہ خبریں اس

عاجز کی نسبت گورنمنٹ کو پہنچاتا ہے طلب کر کے اِس بات کا **ثبوت مانگے** کہ اُس نے کن دلائل اور وجوہ سے اِس عاجز کو گورنمنٹ انگریزی کا **مفسد قرار دیا ہی** اور اگر وہ دلایل شافیہ بیان نہ کر سکے تو پھر جسقدر مناسب ہو قانونی سزا کا اُسکو کچھ مزہ چکھا دیوے کہ یہ ایک عین مصلحت اور ایک سچے خیر خواہ خاندان کی اس میں دلجوئی متصوّر ہی۔ اگرچہ ایسے **جوش** بعض مخالفین مذہب کی تحریرات میں بھی پائے جاتے ہیں جیسے پادری عماد الدین وغیرہ وغیرہ۔ مگر وہ بباعث ناواقفیت اور جوش مذہب اور لاعلاج تعصب کے کسی قدر معذور بھی ہیں اور حق بات کو مُنہ سے نہیں نکال سکتے مگر یہ شیخ **بٹالوی** درحقیقت حد سے گذر گیا ہی۔ عادل گورنمنٹ اس شخص کی تحریرات ۱۸۹۳ و ۹۲ء کے ساتھ اِن تحریرات کو بھی دیکھے جو ۱۸۸۴ء میں اِس شخص کے **اشاعة السنة** میں اِس عاجز کی نسبت موجود ہیں تا معلوم ہو کہ یہ شخص منافق اور حق پوش اور دورنگی اختیار کرنیوالا ہے اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ زیرک اور دانا اور عادل اور وسیع واقفیّت والی گورنمنٹ کے آگے ایسی مکّاریاں چل نہیں سکتیں اور یہ عمیق اندیش گورنمنٹ دُور سے ہوا کا رُخ **دیکھ لیتی ہی** اور متعصّبانہ مخبریوں کو حقیر اور شرمناک حسد یقین کر جاتی ہے لیکن تاہم گورنمنٹ پر کوئی وحی تو نازل نہیں ہوتی۔ اور ممکن ہی کہ **چند شریروں** کے یک زبان ہونے سے ایسا دھوکا لگے جو انسان کو لگ سکتا ہے۔ اِس لئے ہماری طرف سے کسی قدر عرض حال ضروری تھا۔

اب ہم گورنمنٹ کے ملاحظہ کے لئے ۱۸۸۴ء کے اشاعة السنہ یعنی **نمبر ۶ جلد ۷** سے جو **براھین احمدیہ** پر **ریویو** ہی کسی قدر عبارت اس شخص کے رسالہ مذکورہ کی گورنمنٹ کے ملاحظہ کے لئے نقل کرتے ہیں تا دانا گورنمنٹ **خود ملاحظہ فرمالیوے** کہ اس شخص نے اِس عاجز کی نسبت پہلے کیا لکھا تھا اور اب کیا لکھتا ہے۔

اور وُہ عبارت یہ ہے

پولٹیکل نکتہ چینی کا جواب

مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جسقدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جبکہ ہم قطبی اور شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب اُس زمانہ سے آجتک ہم میں اُن میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری رہی ہی اِسلئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم اُنکے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہی۔

گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت کا خیال کبھی مؤلف کے آس پاس بھی نہیں پھٹکا۔ وُہ کیا اُن کے خاندان میں اِس خیال کا کوئی آدمی نہیں ہی بلکہ اُنکے والد بزرگوار مرزا **غلام مرتضیٰ** نے عین زمانۂ طوفان بے تمیزی (**غدر ۱۸۵۷ء**) میں گورنمنٹ کا خیر خواہ جان نثار و فادار ہونا عملاً بھی ثابت کر دکھایا۔ اِس غدر میں جبکہ **ترموں** کے گھاٹ پر متصل گورداسپورہ مفسدین بد طینت نے یورش کی تھی ان کے والد ماجد نے باوجودیکہ وُہ بہت بڑے جاگیردار و سردار نہ تھے اپنی جیب خاص سے **پچاس گھوڑے** معہ سواران و ساز و سامان طیار کر کے زیر کمان اپنے فرزند دلبند مرزا غلام قادر مرحوم کے گورنمنٹ کی معاونت میں دیئے جسپر گورنمنٹ کیطرف سے انکی اس خدمت پر شکریہ ادا ہوا اور کسی قدر انعام بھی ملا۔ علاوہ براں اِن خدمات کے لحاظ سے مرزا صاحب مرحوم (والد مؤلف) ہمیشہ مورد کرم و لطف گورنمنٹ رہے اور دربار گورنری میں عزت کے ساتھ انکو کرسی ملتی رہی اور حکام اعلیٰ ضلع و قسمت (یعنی صاحبان ڈپٹی کمشنر و کمشنر) (چٹھیات خوشنودی مزاج) جنمیں سے کئی چٹھیات اس وقت ہمارے سامنے رکھی ہوئی ہیں وقتاً فوقتاً انکو عطا کرتے رہے ہیں۔ اِن چٹھیات سے واضح ہوتا ہی کہ وُہ بڑے دلی جوش سے لکھی گئی ہیں جو بغیر ایک خاص خیر خواہ اور سچّے وفادار کے کسی دوسرے کیلئے تحریر نہیں ہو سکتیں۔ اکثر صاحبان ڈپٹی کمشنر و کمشنر ایام دورہ میں ازراہ خوش خلقی و محبت و دلجوئی مرزا صاحب کے مکان پر جاکر ملاقات کرتے رہے اور اُنکی وفات پر صاحبان کمشنر و فنانشل کمشنر اور صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر

نے اپنے خطوط میں بہت افسوس ظاہر کیا ہے اور آئندہ کیلئے قدر دانی اور اس خاندان کے لحاظ اور رعایت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی طرح خاندان کے خیرخواہ قدیم ہونے کے لحاظ سے صاحب فنانشل کمشنر بہادر نے ان دنوں میں مرزا سلطان احمد (فرزند مؤلف) کے لئے تحصیلداری کی خاص سفارش کی ہے جسکی رپورٹ بہ تعمیل حکم ضلع سے روانہ ہوچکی ہے۔ الغرض یہ خاندان قدیم سے خیرخواہ اور زیر نظر عنایت گورنمنٹ چلا آتا ہے۔ ان حالات و واقعات کی تصدیق کے لئے منجملہ ان چٹھیات کے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں ہم تین چٹھیاں حاشیہ میں نقل کرتے ہیں تاکہ حاسد نا عاقبت اندیش اس خاندان کی گورنمنٹ انگریزی میں قدر و منزلت سے آگاہ ہو کر اپنے ارادہ بد و نیت فاسد سے باز آویں اور عام مسلمان انکے دھوکہ میں آکر اس کتاب اور اس کے مؤلف سے بدگمان اور متوحش نہ ہوں۔

نقل مراسلہ

(جے نکلسن صاحب)

نمبر ۳۵۳

تہور پناہ شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان حفظہ
عریضہ شما مشعر بر یاد دہانی خدمات و حقوق خود و خاندان خود
بملاحظہ حضور اینجانب در آمد ما خوب میدانیم کہ بلاشک شما
از ابتدائے دخل حکومت سرکار انگریزی جاں نثار و وفا کیش
ثابت قدم ماندہ اید و حقوق شما در اصل قابل قدر اند
بہرنہج تسلی و تشفی دارید سرکار انگریزی حقوق و خدمات
خاندان شما را ہرگز فراموش نخواہد کرد بموقعہ مناسب
بر حقوق و خدمات شما غور و توجہ کردہ خواہد شد

Translation of Certificate of J. Nickolson

To,

Mirza Ghulam Murtaza Khan
Chief of Qadian

I have persued your application reminding me of your and your family's past services and rights I am well aware that since the introduction of the British Govt. you and your family have certainly remained devoted faithful and steady subjects and that your rights are really worthy of regard. In every respect you may rest assured and satisfied that the British Govt. will never forget

ہر چند خاصکر مؤلف کتاب (میرزا غلام احمد صاحب) سے اُنکے عالمانہ اور درویشانہ وضع و حالت کے سبب کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوئی مگر جسقدر خیر خواہی گورنمنٹ منصب علمار اور درویشوں کے مناسب ہے اور انکی

بایدکہ ہمیشہ ہواخواہ و جان نثار سرکار انگریزی بمانند کہ دریں امر خوشنودی سرکار و بہبودی شما متصور ست

المرقوم ۱۱- جون ۱۸۴۹ء

لاہور - انارکلی

نقل مراسلہ

(رابرٹ کسٹ صاحب بہادر کمشنر لاہور)

تہور و شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان

بعافیت باشند۔

ازانجا کہ مفسدہ ہندوستان موقوعہ ۱۸۵۷ء از جانب آپکے رفاقت و خیر خواہی و مددہی سرکار دولتمدار انگلشیہ در بابت نگاہداشت سوارانٌ و بہمرسانی اسپاں بخوبی بمنصہ ظہور پہنچی اور شروع مفسدہ سے آجتک آپ بدل ہواخواہ سرکار رہے اور باعث خوشنودی سرکار ہوا۔ لہذا بجلدوی اس خیر خواہی و خیر سگالی کے خلعت مبلغ دو صد روپیہ کا سرکار سے آپکو عطا ہوتا ہے اور حسب منشاء چٹھی صاحب چیف کمشنر بہادر نمبری ۵۷۶

forget your family's rights and services which will receive due consideration when a favourable opportunity offers itself.

You must continue to be faithful & devoted subjects as in it lies the satisfuction of Govt., and your welfare. 11.6.1849

Translation of Mr Robert caste's Certificate.

To,

Mirza Ghulam Murtaza Khan
Chief of Qadian

As you rendered great help in enlisting sowars & supplying horses to Govt in the mutiny of 1857 and maintained loyalty since its beginning up to date and there by gained the favour of Govt a Khilat worth Rs 200/- is presented to you in recognition of Good services and as a reward for your loyalty.

Moreover in accordance with

فدرشدہ میں داخل ہوا تھی انھوں نے بھی دریغ نہیں کیا۔ عالموں کی تلوار قلم ہے اور فقیروں کا ہتھیار دعا۔ مولف نے ان ہتھیاروں کے ساتھ گورنمنٹ کی خیرخواہی و معاونت میں دریغ نہیں فرمایا۔ اپنی قلم سے بارہا لکھ

مورخہ ۱۰۔ اگست ۱۸۵۸ء بمعاملہ ہذا باظہار خوشنودی سرکار و نیکنامی و وفاداری بنام آپکے لکھا جاتا ہے۔

مرقومہ تاریخ ۲۰۔ ستمبر ۱۸۵۸ء

a conveyed in his No. 576. Dt. 10th August 1858, this parwana is addressed to you as a token of satisfaction of Govt. for your fidelity and repute.

نقل مراسلہ

فنانشل کمشنر پنجاب

مشفق مہربان دوستان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظہ

آپکا خط ۲ ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحظہ حضور اینجانب میں گذرا مرزا غلام مرتضیٰ صاحب آپکے والد کی وفات سے ہمکو بہت افسوس ہوا مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریزی کا اچھا خیرخواہ اور وفادار رئیس تھا ہم آپکی خاندانی لحاظ سے اسی طرح پر عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ وفادار کی کیجاتی تھی ہمکو کسی اچھے موقعہ کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابجائیکا خیال رہے گا۔

المرقوم ۲۹ جون ۱۸۷۶ء

الراقم سر رابرٹ ایجرٹن صاحب بہادر

فنانشل کمشنر پنجاب

Translation of Sir Robert Egerton
Financial Commr's:
Murasala dt. 29 June 1876.

Mr dear friend
Ghulam Qadir,

I have persued your letter of the 2nd instant and deeply regret the death of your father Mirza Ghulam Murtaza who was a great well wisher and faithful Chief of Govt.

In consideration of your family services will esteem you with the same respect as that bestowed on your loyal father. I will keep in mind the restoration and welfare of your family when a favourable opportunity occurs.

چکے اور اپنی اسی کتاب میں جسکی اشاعت انکا شبا روزی فرض ہو وہ صاف درج کر چکے* ہیں کہ "گورنمنٹ انگلشیہ خدا کی نعمتوں سو ایک نعمت ہو۔ یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے یہ سلطنت مسلمانوں کے لئے آسمانی برکت کا حکم

*حاشیہ **اصل کلام** مؤلف یہ ہے جو اس کتاب کے حصہ سیوم و چہارم سی بہ تلخیص نقل کیا جاتا ہے۔

حصہ سیوم کے ابتدائی اوراق میں آپ فرماتے ہیں مسلمانوں پر جن امور کا اپنی اصلاح حال کیلئے اپنی ہمت اور کوشش سو انجام دینا لازم ہو۔ وہ انھیں فکر اور غور کے وقت آپ ہی معلوم ہو جائیں گے حاجت بیان و تشریح نہیں۔ مگر اس جگہ ان امروں میں سے یہ امر قابل تذکرہ ہو جسپر گورنمنٹ انگلشیہ کی عنایات اور توجہات موقوف ہیں کہ گورنمنٹ ممدوحہ کے دل پر اچھی طرح یہ امر مرکوز کرنا چاہیئے کہ مسلمانان ہند ایک وفادار رعیت ہے کیونکہ بعض ناواقف انگریزوں نے خصوصاً ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے جو کمیشن تعلیم کے اب پریزیڈنٹ ہیں اپنی ایک مشہور تصنیف میں اس دعویٰ پر بہت اصرار کیا ہو کہ مسلمان لوگ سرکار انگریزی کے دلی خیرخواہ نہیں ہیں اور انگریزوں سے جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں گو یہ خیال ڈاکٹر صاحب کا شریعت اسلام پر نظر کرنیکے بعد ہر یک شخص پر محض بے اصل اور خلاف واقعہ ثابت ہوگا لیکن افسوس کہ بعض کوہستانی اور بے تمیز سفہا کی نالائق حرکتیں اس خیال کی تائید کرتی ہیں اور شاید انہی اتفاقی مشاہدات سے ڈاکٹر صاحب موصوف کا وہم بھی مستحکم ہو گیا ہو کیونکہ کبھی کبھی جاہل لوگوں کی طرف سے اس قسم کی حرکات صادر ہوتی رہتی ہیں لیکن محقق پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ اس قسم کے لوگ اسلامی تدین سے دور و مہجور ہیں اور ایسے ہی مسلمان ہیں جیسے مکلین عیسائی تھا۔ پس ظاہر ہے کہ اُنکی یہ ذاتی حرکات ہیں نہ شرعی پابندی سے۔ اور اُنکے مقابل پر ان ہزارہا مسلمانوں کو دیکھنا چاہیئے جو ہمیشہ خیرخواہی دولت انگلشیہ کی کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں ۱۸۵۷ء میں جو کچھ فساد ہوا اسمیں بجز جہلا اور بدچلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان جو با علم اور باتمیز تھا ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا بلکہ پنجاب میں بھی غریب غریب مسلمانوں نے سرکار انگریزی کو اپنی طاقت سے زیادہ مددی چنانچہ ہمارے والد صاحب مرحوم نے بھی باوصف کم استطاعتی کے اپنے اخلاص اور جوش اور خیرخواہی سو پچاس گھوڑے اپنی گرہ سو خرید کرکے اور پچاس مضبوط اور لائق سپاہی

رکھتی ہو خداوند رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کیلئے ایک باران رحمت بھیجا ایسی سلطنت کا لڑائی اور جہاد کرنا قطعی حرام ہے۔ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہکر اُسکا

بقیہ حاشیہ بہم پہنچا کر سرکار میں بطور مدد کے نذر کئے اور اپنی غریبانہ حالت سے بڑھکر خیر خواہی دکھلائی اور جو مسلمان صاحب دولت و ملک تھے انہوں نے تو بڑی بڑی خدمات نمایاں ادا کیں۔ اب ہم پھر اس تقریر کیطرف متوجہ ہوتے ہیں کہ گو مسلمانوں کیطرف سے اخلاص اور وفاداری کے بڑے بڑے نمونہ ظاہر ہو چکے ہیں مگر ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کی بدنصیبی کیوجہ سے اُن تمام وفاداریوں کو نظرانداز کر دیا اور نتیجہ نکالنے کیوقت اُن مخلصانہ خدمات کو نہ اپنے قیاس کے صغریٰ میں جگہ دی اور نہ کبریٰ میں۔ بہرحال ہمارے بھائی مسلمانوں پر لازم ہے کہ گورنمنٹ پر اُنکے دعووں سے متاثر ہونے سے پہلے بیحد طور پر اپنی خیر خواہی ظاہر کریں جس حالت میں شریعت اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہے جسپر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جسکے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں اور جسکے عطیات سے ممنون منت اور مرہون احسان ہوں اور جسکی مبارک سلطنت حقیقت میں نیکی اور ہدایت پھیلانے کیلئے کامل مددگار ہو قطعی حرام ہے تو پھر بڑے افسوس کی بات ہے کہ علماء اسلام اپنے جمہوری اتفاق سے اس مسئلہ کو اچھی طرح شائع نہ کر کے ناواقف لوگوں کی زبان اور قلم سے مورد اعتراض ہوتے رہیں جن اعتراضوں سے اُنکے دین کی سُستی پائی جائے اور اُنکی دُنیا کو ناحق ضرر پہنچے۔ سو اس عاجز کی دانست میں قرین مصلحت یہ ہے کہ انجمن اسلامیہ لاہور و کلکتہ و بمبئی وغیرہ یہ بندوبست کریں کہ چند نامی مولوی صاحبان جنکی فضیلت اور علم اور زہد اور تقویٰ اکثر لوگوں کی نظر میں مسلم الثبوت ہو اس امر کیلئے چُن لئے جاویں کہ اطراف اکناف کے اہل علم کو جو اپنے مسکن کے گرد نواح میں کسی قدر شہرت رکھتے ہوں اپنی اپنی عالمانہ تحریریں جنمیں بر طبق شریعت حقہ سلطنتِ انگلشیہ سے جو مسلمانانِ ہند کی مربی و محسن ہے جہاد کرنے کی صاف ممانعت ہو۔ ان علماء کی خدمت میں بہ ثبت مواہیر بھیج دیں کہ جو بموجب قرارداد بالا اِس خدمت کے لئے منتخب کئے گئے ہیں اور جب سب خطوط جمع ہو جاویں تو یہ مجموعہ خطوط جو مکتوبات علماء ہند سے موسوم ہو سکتا ہے کسی خوشخط مطبع میں

احسان اُٹھاوے۔ اُسکے ظلّ حمایت میں با من و آسایش رہکر اپنا مقسوم کھاوے اُسکے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے پھر اُسی پر عقرب کیطرح نیش چلاوے۔ اور دُعا سے بھی اُنھوں نے اِس گورنمنٹ کو بہت دفعہ

بقیہ حاشیہ بہ صحت تمام چھاپا جاوے اور پھر دس بیس نسخے اُسکے گورنمنٹ میں اور باقی نسخجات متفرق مواضع پنجاب و ہندوستان خاصکر سرحدی ملکوں میں تقسیم کئے جائیں۔ یہ سچ ہو کہ بعض غمخوار مسلمانوں نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے خیالات کا ردّ لکھا ہی مگر یہ دو چار مسلمانوں کا ردّ جمہوری ردّ کا ہرگز قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ جمہوری ردّ کا ایسا اثر قوی اور پُر زور ہوگا جس میں ڈاکٹر صاحب کی تمام غلط تحریریں خاک سے ملجائیں گی اور بعض ناواقف مسلمان بھی اپنے سچے اور پاک اصول سے بخوبی مطلع ہو جائیں گے اور گورنمنٹ انگلشیہ پر بھی صاف باطنی مسلمانوں کی اور خیر خواہی اس رعیت کی کما حقہ کھُل جاویگی اور بعض کوہستانی جہلا کے خیالات کی اصلاح بھی بذریعہ اسی کتاب کے وعظ و نصیحت کے ہوتی رہیگی۔ بالآخر یہ بات بھی ظاہر کرنا ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ اگرچہ تمام ہندوستان پر یہ حق واجب ہے کہ بنظر اُن احسانات کے کہ جو سلطنت انگلشیہ سے اسکی حکومت اور آرام بخش حکمت کے ذریعہ سے عامہ خلائق پر وارد ہیں سلطنت ممدوحہ کو خداوند تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھیں اور مثل اور نعماء الٰہی کے اسکا شکر بھی ادا کریں لیکن پنجاب کے مسلمان بڑے ناشکر گذار ہونگے اگر وہ اِس سلطنت کو جو اُنکے حق میں خدا کی ایک عظیم الشان رحمت ہے نعمت عظمیٰ یقین نہ کریں۔ اُنکو سوچنا چاہیئے کہ اِس سلطنت سے پہلے وہ کس حالت پر ملالت میں تھے اور پھر کیسے امن و امان میں آگئے۔ پس فی الحقیقت یہ سلطنت ان کیلئے ایک آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے جسکے آنے سے سب تکلیفیں اُنکی دُور ہوئیں اور ہر یک قسم کے ظلم و تعدی سے نجات حاصل ہوئی اور ہر یک ناجائز روک اور مزاحمت سے آزادی میسر آئی کوئی ایسا مانع نہیں کہ جو ہمکو نیک کام کرنے سے روک سکے یا ہماری آسایش میں خلل ڈال سکے۔ پس حقیقت میں خداوند کریم و رحیم نے اِس سلطنت کو مسلمانوں کے لئے ایک باران رحمت بھیجا ہی جس سے پودہ اسلام کا پھر اس ملک پنجاب میں سرسبز ہوتا جاتا ہی اور جسکے فواید کا اقرار حقیقت میں خدا کے احسانوں کا اقرار ہے۔ یہی سلطنت ہے جسکی آزادی ایسی بدیہی اور مسلّم الثبوت ہے کہ بعض دوسرے ملکوں سے مظلوم مسلمان ہجرت کرکے

یاد کیا ہی۔ اُنکی آخری دُعا اُنکے اشتہار مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر میں جسکی بیس ہزار کاپی چھپوا کر ہند اور انگلینڈ میں انھوں نے شائع کرنی چاہی ہے یہ کلمات دُعائیہ مرقوم ہیں۔ انگریز جنکی شایستہ اور مہذب اور

بقیہ حاشیہ اِس ملک میں آنا بدل وجان پسند کرتے ہیں۔ جس صفائی سی اِس سلطنت کی ظلّ حمایت میں مسلمانوں کی اصلاح کیلیئے اور اُنکی بدعات مخلوطہ دُور کرنے کیلیئے وعظ ہوسکتا ہی اور جن تقریبات سے علماء اسلام کو ترویج دین کیلیئے اِس گورنمنٹ میں جوش پیدا ہوتے ہیں اور فکر اور نظر سی اعلیٰ درجہ کا کام پڑتا ہی اور عمیق تحقیقاتوں سی تائید دین متین میں تالیف ہو کر حجّت اسلام مخالفین پر پُوری کیجاتی ہی وہ میری دانست میں آجکل کسی اور ملک میں ممکن نہیں۔ یہی سلطنت ہے جسکی عادلانہ حمایت سے علماء کو مدتوں کے بعد گویا صدہا سال کے بعد یہ موقعہ ملا کہ بے دھڑک بدعات کی آلودگیوں اور شرک کی خرابیوں سے اور مخلوق پرستی کے فسادوں سی نادان لوگوں کو مطلع کریں اور اپنے رسول مقبول کا صراط مستقیم کھولکر بتلاویں۔ کیا ایسی سلطنت کی بدخواہی جسکے زیر سایہ تمام مسلمان امن اور آزادی سی بسر کرتے ہیں اور فرائض دین کو کما حقہ بجالاتے ہیں اور ترویج دین میں سب ملکوں سی زیادہ مشغول ہیں جائز ہوسکتی ہی حاشا وکلاّ ہرگز جائز نہیں اور نہ کوئی نیک اور دیندار آدمی ایسا بدخیال دلمیں لا سکتا ہے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ دُنیا میں آج یہی سلطنت ہے جسکے سایہ عاطفت میں بعض بعض اسلامی مقاصد ایسے حاصل ہوتے ہیں کہ جو دوسرے ممالک میں ہرگز ممکن الحصول نہیں۔ شیعوں کے ملک میں جاؤ تو وہ سنّت جماعت کے وعظوں سی افروختہ ہوتے ہیں اور سنّت جماعت کے ملکوں میں شیعہ اپنی رائے ظاہر کرنے سی خائف ہیں۔ ایسا ہی مقلدین موحدین کے شہروں میں اور موحدین مقلدین کے بلاد میں دم نہیں مار سکتے۔ اور گو کسی بدعت کو اپنی آنکھ سی دیکھ لیں مُنہ سی بات نکالنے کا موقعہ نہیں رکھتے آخر یہی سلطنت ہے جسکی پناہ میں ہر یک فرقہ امن اور آرام سی اپنی رائے ظاہر کرتا ہے اور یہ بات اہل حق کیلیئے نہایت ہی مفید ہی کیونکہ جس ملک میں بات کرنے کی گنجائش ہی نہیں نصیحت دینے کا حوصلہ ہی نہیں اُس ملک میں کیونکر راستی پھیل سکتی ہی۔ راستی پھیلانے کیلیئے وہی ملک مناسب ہے جسمیں آزادی سی اہل حق وعظ کر سکتے ہیں۔ یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ دینی جہادوں سے اصلی غرض آزادی کا قائم

بارحم گورنمنٹ نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملات سے ممنون کر کے اِس بات کیلئے دِلی جوش بخشا ہو کہ ہم اُنکے دین و دُنیا کیلئے دِلی جوش سے بہبودی اور سلامتی چاہیں تا اُن کے گورے وسپید

بقیہ حاشیہ کرنا اور ظلم کا دُور کرنا تھا اور دینی جہاد اُنھیں ملکوں کے مقابلہ پر ہوئے تھے جنمیں واعظین کو اپنے وعظ کے وقت جان کا اندیشہ تھا اور جنمیں امن کے ساتھ وعظ ہونا قطعی محال تھا۔ اور کوئی شخص طریقہ حقّہ کو اختیار کر کے اپنی قوم کے ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا لیکن سلطنت انگریزی کی آزادی نہ صرف اِن خرابیوں سے خالی ہو بلکہ اسلامی ترقّی کی بدرجہ غایت ناصر اور مؤید ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اِس خداداد نعمت کی قدر کریں اور اُسکے ذریعہ سے اپنی دینی ترقیات میں قدم بڑھاویں۔

اور حصّہ چہارم کے ابتدائی اوراق میں آپ فرماتے ہیں۔ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ بعض صاحبوں نے مُسلمانوں میں اِس مضمون کی بابت کہ جو حصّہ سیوم کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے شکر کے بارے میں شامل ہو اعتراض کیا اور بعض نے خطوط بھی بھیجے اور بعض نے سخت اور درشت لفظ بھی لکھے کہ انگریزی عملداری کو دُوسری عملداریوں پر کیوں ترجیح دی لیکن ظاہر ہے کہ جس سلطنت کو اپنی شائستگی اور حُسن انتظام کے رُو سے ترجیح ہو اُسکو کیونکر چُھپا سکتے ہیں۔ خوبی باعتبار اپنی ذاتی کیفیت کے خوبی ہی ہے گو وُہ کسی گورنمنٹ میں پائی جائے الحکمۃ ضالۃ المؤمن الخ اور یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں ہو کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہ کر اُس کا احسان اُٹھاوے اُسکے ظل حمایت میں بامن و آسائش رہکر اپنا رزق مقسوم کھاوے اُسکے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے پھر اُسی پر عقرب کی طرح نیش چلاوے اور اُسکے سلوک اور مروّت کا ایک ذرہ شکر بجا نہ لاوے بلکہ ہمارے خداوند کریم نے اپنے رسول مقبول کے ذریعہ سے یہی تعلیم دی ہے کہ ہم نیکی کا معاوضہ بہت زیادہ نیکی کے ساتھ کریں اور منعم کا شکر بجا لاویں اور جب کبھی ہم کو موقعہ ملے تو ایسی گورنمنٹ سے بدلی صدق کمال ہمدردی سے پیش آویں اور بطیب خاطر معروف اور واجب طور پر

مُنہ جس طرح دُنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں بھی نورانی و منور ہوں۔ فنسئل اللّٰہ تعالیٰ خیرھم فی الدنیا والآخرۃ۔ اللّٰھم اھدھم و ایدھم بروح منک واجعل لھم حظًا کثیرًا فی دینک۔ الخ

پھر ایسے شخص پر یہ بہتان کہ اُسکے دِل میں گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت ہے اور اسکی کتاب کی نسبت یہ گمان کہ وہ گورنمنٹ کے مخالف ہے پرلے سرے کی بے ایمانی اور شرارت شیطانی نہیں تو کیا ہے۔ خیرخواہان سلطنت و پیروانِ مذہب اسلام ان یاوہ گو حاسدوں کی ایسی باتیں ہرگز نہ سُنیں اور اس کتاب یا مؤلف کی طرف سے سوء ظنی کو اپنے دلوں میں جگہ نہ دیں گورنمنٹ سے تو ہم پہلے ہی مطمئن ہیں کہ وہ اِن باتوں کو مؤلف کی نسبت ہرگز نہ سُنے گی۔ بلکہ جو اِن باتوں کو گورنمنٹ تک پہنچائیگا اُسکو اُسکی دروغگوئی پر سرزنش کریگی ۔

بقیہ حاشیہ اطاعت اُٹھاویں۔ سو اِس عاجز نے جس قدر حصّہ سوم کے پرچہ مشمولہ میں انگریزی گورنمنٹ کا شکر ادا کیا ہے وہ صرف اپنے ذاتی خیال سے ادا نہیں کیا بلکہ قرآن شریف اور احادیث نبوی کی اُن بزرگ تاکیدوں نے جو اس عاجز کے پیش نظر ہیں مجھ کو اس شکر ادا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ سو ہمارے بعض ناسمجھ بھائیوں کی یہ افراط ہے جس کو وہ اپنی کوتاہ اندیشی اور بخل فطرتی سے اسلام کا جُز سمجھ بیٹھے ہیں۔

اے جفاکیش نہ عذر است طریق عشاق
ہرزہ بدنام کنی چند نکو نامے را

(براہین احمدیہ)

مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ

التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء

ہم افسوس سے لکھتے ہیں کہ چند ایسے وجوہ ہم کو پیش آئے جنہوں نے ہماری رائے کو اس طرف مائل کیا کہ ابکی دفعہ اس جلسہ کو ملتوی رکھا جائے اور چونکہ بعض لوگ تعجب کرینگے کہ اس التواء کا موجب کیا ہے لہذا بطور اختصار کسی قدر ان وجوہ میں سے لکھا جاتا ہے۔

اوّل۔ یہ کہ اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کرلیں کہ اُنکے دل آخرت کیطرف بکلی جھک جائیں اور اُنکے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیز گاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بنجائیں اور انکسار اور تواضع اور راستبازی اُنمیں پیدا ہو اور دینی مہمات کیلئے سرگرمی اختیار کریں لیکن اِس پہلے جلسہ کے بعد ایسا اثر نہیں دیکھا گیا بلکہ خاص جلسہ کے دنوں میں ہی بعض کی شکایت سُنی گئی کہ وہ اپنے بعض بھائیوں کی بدخوئی سے شاکی ہیں اور بعض اُس مجمع کثیر میں اپنا اپنے آرام کیلئے دوسرے لوگوں سے کج خلقی ظاہر کرتے ہیں گویا وہ مجمع ہی اُن کیلئے موجب ابتلاء ہوگیا۔ اور پھر میں دیکھتا ہوں کہ جلسہ کے بعد کوئی بہت عمدہ اور نیک اثر ابتک اس جماعت کے بعض لوگوں میں ظاہر نہیں ہوا اور اِس تجربہ کیلئے یہ تقریب پیش آئی کہ ان دنوں سے آجتک ایک جماعت کثیر مہمانوں کی اس عاجز کے پاس بطور تبادل رہتی ہے یعنی بعض آتے اور بعض جاتے ہیں اور بعض وقت یہ جماعت سَو سَو مہمان تک بھی پہنچ گئی ہے اور بعض وقت اس سے کم لیکن اِس اجتماع میں بعض دفعہ بباعث تنگی مکانات اور قلّت وسائل مہمانداری ایسے نالائق رنجش اور خود غرضی کی سخت گفتگو بعض مہمانوں میں باہم ہوتی دیکھی ہے کہ جیسے ریل میں بیٹھنے والے تنگی مکان کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور اگر کوئی بیچارہ عین ریل چلنے کے قریب اپنی گٹھری کے سمیت مارے اندیشہ کے دوڑتا دوڑتا اُن کے پاس پہنچ جائے تو اُسکو دھکے دیتے اور دروازہ بند کرلیتے ہیں کہ ہم میں جگہ نہیں حالانکہ گنجائش نکل سکتی ہے مگر سخت دلی ظاہر کرتے ہیں اور وہ ٹکٹ لئے اور بقچہ اُٹھائے اِدھر اُدھر پھرتا ہے اور کوئی اُسپر رحم نہیں کرتا مگر آخر ریل کے ملازم جبراً اُسکو جگہ دلاتے ہیں۔ سو ایسا ہی یہ اجتماع بھی بعض اخلاقی حالتوں کے بگاڑنے کا ایک ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور جبتک کہ مہمانداری کے پورے وسائل میسّر نہ ہوں اور جبتک خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں اپنے خاص فضل سے کچھ مادہ رفق اور نرمی اور ہمدردی اور

خدمت اور جانفشانی کا پیدا نہ کرے تب تک یہ جلسہ قرین مصلحت معلوم نہیں ہوتا حالانکہ دل تو یہی چاہتا ہو کہ مبایعین
محض للہ سفر کرکے آویں اور میری صحبت میں رہیں اور کچھ تبدیلی پیدا کرکے جائیں کیونکہ موت کا اعتبار نہیں۔ میرے
دیکھنے میں مبایعین کو فائدہ ہو مگر مجھے حقیقی طور پر وہی دیکھتا ہو جو صبر کے ساتھ دین کو تلاش کرتا ہو اور فقط دین کو چاہتا ہے
سو ایسے پاک نیت لوگوں کا آنا ہمیشہ بہتر ہے کسی جلسہ پر موقوف نہیں بلکہ دوسرے وقتوں میں وہ فرصت اور فراغت سے
باتیں کرسکتے ہیں اور یہ جلسہ ایسا تو نہیں ہو کہ دنیا کے میلوں کی طرح خواہ نخواہ التزام اس کا لازم ہو بلکہ اس کا انعقاد صحت نیت
اور حسن ثمرات پر موقوف ہے ورنہ بغیر اسکے ہیچ۔ اور جبتک یہ معلوم نہ ہو اور تجربہ شہادت نہ دے کہ اس جلسہ سے دینی فائدہ
یہ ہو اور لوگوں کے چال چلن اور اخلاق پر اس کا یہ اثر ہو تب تک ایسا جلسہ صرف فضول ہی نہیں بلکہ اس علم کے بعد کہ اس اجتماع
سے نتائج نیک پیدا نہیں ہوتے ایک معصیت اور طریق ضلالت اور بدعت شنیعہ ہو۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ حال کے بعض
پیرزادوں کی طرح صرف ظاہری شوکت دکھلانے کیلئے اپنے مبایعین کو اکٹھا کروں بلکہ وہ علت غائی جسکے لئے میں حیلہ نکالتا
ہوں اصلاح خلق اللہ ہو پھر اگر کوئی امر یا انتظام موجب اصلاح نہ ہو بلکہ موجب فساد ہو تو مخلوق میں سو میرے جیسا
اسکا کوئی دشمن نہیں اور اخویم مکرم حضرت مولوی نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بارہا مجھ سو یہ تذکرہ کرچکے ہیں کہ
ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے ابتک کوئی خاص اہلیت اور تہذیب اور پاک دلی اور پرہیزگاری اور للّٰہی محبت باہم پیدا
نہیں کی سو میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہو مجھے معلوم ہوا ہو کہ بعض حضرات جماعت
میں داخل ہوکر اور اس عاجز سو بیعت کرکے اور عہد توبہ نصوح کرکے پھر بھی ویسے کج دل ہیں کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو
بھیڑیوں کیطرح دیکھتے ہیں وہ مارے تکبر کے سیدھے منہ سو السلام علیک نہیں کرسکتے چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے
پیش آویں اور انہیں سفلہ اور خود غرض اسقدر دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ خود غرضی کی بناء پر لڑتے اور ایکدوسرے
سے دست بدامن ہوتے ہیں اور ناکارہ باتوں کی وجہ سو ایکدوسرے پر حملہ ہوتا ہو بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت
پہنچتی ہو اور دلوں میں کینے پیدا کرلیتے ہیں اور کھانے پینے کی قسموں پر نفسانی بحثیں ہوتی ہیں اور اگرچہ نجیب اور سعید
بھی ہماری جماعت میں بہت ـ بلکہ یقیناً دوسو سے زیادہ ہی ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا فضل ہو جو نصیحتوں کو سنکر روتے اور
عاقبت کو مقدم رکھتے ہیں اور انکے دلوں پر نصیحتوں کا عجیب اثر ہوتا ہو لیکن میں اسوقت کج دل لوگوں کا ذکر کرتا ہوں اور
میں حیران ہوتا ہوں کہ خدایا یہ کیا حال ہو یہ کونسی جماعت ہے جو میرے ساتھ ہو نفسانی لالچوں پر کیوں انکے دل گرے جاتے
ہیں اور کیوں ایک بھائی دوسرے بھائی کو ستاتا اور اس سے بلندی چاہتا ہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز
درست نہیں ہوسکتا جبتک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہراوے۔ اگر میرا ایک بھائی میرے

سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہو اور مَیں باوجود اپنی صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا وہ اُسپر بیٹھ نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہو اگر مَیں نہ اُٹھوں اور محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی اُسکو نہ دوں اور اپنے لئے فرش زمین پسند نہ کروں اگر میرا بھائی بیمار ہو اور کسی درد سے لاچار ہو تو میری حالت پر حیف ہو اگر میں اُسکے مقابل پر امن سے سو رہوں اور اُسکے لئے جہانتک میرے بس میں ہو آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں اور اگر کوئی میرا دینی بھائی اپنی نفسانیت سے مجھ سے کچھ سخت گوئی کرے تو میری حالت پر حیف ہو اگر مَیں بھی دیدہ و دانستہ اُس سے سختی سے پیش آؤں بلکہ مجھے چاہیئے کہ مَیں اُسکی باتوں پر صبر کروں اور اپنی نمازوں میں اُسکے لئے رو رو کر دعا کروں کیونکہ وہ میرا بھائی ہو اور رُوحانی طور پر بیمار ہو اگر میرا بھائی سادہ ہو یا کم علم یا سادگی سے کوئی خطا اُس سے سرزد ہو تو مجھے نہیں چاہیئے کہ مَیں اُس سے ٹھٹھا کروں یا چیں برجبیں ہو کر تیزی دکھاؤں یا بدنیتی سے اُسکی عیب گیری کروں کہ یہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جبتک اُسکا دل نرم نہ ہو جبتک وہ اپنے تئیں ہریک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری مشیختیں دُور نہ ہو جائیں خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہو اور غریبوں سے نرم ہو کر اور جُھک کر بات کرنا مقبول الٰہی ہونیکی علامت ہے اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہیں اور غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہو مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ باتیں ہماری جماعت کے بعض لوگوں میں نہیں بلکہ بعض میں ایسی بے تہذیبی ہو کہ اگر ایک بھائی ضد سے اسکی چارپائی پر بیٹھا ہے تو وہ سختی سے اُسکو اُٹھانا چاہتا ہے اور اگر نہیں اُٹھتا تو چارپائی کو اُلٹا دیتا ہو اور اُسکو نیچے گرا دیتا ہے پھر دوسرا بھی فرق نہیں کرتا اور وہ اُسکو گندی گالیاں دیتا ہو اور تمام بخارات نکالتا ہو یہ حالات ہیں جو اس مجمع میں مشاہدہ کرتا ہوں تب دل کباب ہوتا اور جلتا ہو اور بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہو کہ اگر میں درندوں میں رہوں تو اِن بنی آدم سے اچھا ہو پھر مَیں کس خوشی کی اُمید سے لوگوں کو جلسہ کیلئے اکٹھے کروں یہ دُنیا کے تماشوں میں سے کوئی تماشا نہیں ابھی تک مَیں جانتا ہوں کہ مَیں اکیلا ہوں بجز ایک مختصر گروہ رفیقوں کے جو دو تین سو سے کسی قدر زیادہ ہیں جنپر خدا کی خاص رحمت ہے جنمیں سے اوّل درجہ پر میرے خالص دوست اور محب مولوی حکیم نورالدین صاحب اور چند اور دوست ہیں جنکو مَیں جانتا ہوں کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کیلئے میرے ساتھ تعلق محبت رکھتے ہیں اور میری باتوں اور نصیحتوں کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُنکی آخرت پر نظر ہے سو وہ انشاء اللہ دونوں جہانوں میں میرے ساتھ ہیں اور مَیں اُنکے ساتھ ہوں۔ مَیں اپنے ساتھ اُن لوگوں کو کیا سمجھوں جنکے دل میرے ساتھ نہیں

* یہ باتیں ہماری طرف سے اپنی عزیز جماعت کیلئے بطور نصیحت کے ہیں دُوسرا کوئی مجاز نہیں کہ کسی کا نام لیکر انکا تذکرہ کرے ورنہ وہ سب سے بڑھ کر گناہ اور فتنہ کی راہ اختیار کریگا۔

جو اسکو نہیں پہچانتے جسکو مَیں نے پہچانا ہی اور نہ اُسکی عظمتیں اپنے دلوں میں بٹھاتے ہیں اور نہ ٹھٹھوں اور بیراہیوں کو تنی خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہی اور کبھی نہیں سوچتے کہ ہم ایک زہر کھا رہے ہیں جس کا بالضرور نتیجہ موت ہے درحقیقت وُہ ایسے ہیں جنکو شیطانی راہیں چھوڑنا منظور ہی نہیں۔ یاد رہے کہ جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ میں سی نہیں اور اپنے دعوی میں جھوٹا ہی اور میرے مذہب کو قبول کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنا مذہب پسندیدہ سمجھتا ہی وہ مجھ سی ایسا دور ہے جیساکہ مغرب مشرق سی وہ خطا پر ہی کہ سمجھتا ہی کہ میں اسکے ساتھ ہوں میں بار بار کہتا ہوں کہ آنکھوں کو پاک کرو اور انکو روحانیت کے طور سی ایسا ہی روشن کرو جیساکہ وُہ ظاہری طور پر روشن ہیں ظاہری رویت تو حیوانات میں بھی موجود ہی مگر انسان اُسوقت سو جاکھا کہلا سکتا ہی جبکہ باطنی رویت یعنی نیک و بدکی شناخت کا اُسکو حصہ ملے اور پھر نیکی کیطرف جُھک جائے سو تم اپنی آنکھوں کیلئے نہ صرف چارپاؤں کی بینائی بلکہ حقیقی بینائی ڈھونڈھو اور اپنے دلوں سی دنیا کے بُت باہر پھینکو کہ دُنیا دین کی مخالف ہے۔ جلد مروگے اور دیکھوگے کہ نجات اُنہیں کو ہی کہ جو دُنیا کے جذبات سے بیزار اور بَری اور صاف دل تھی۔ مَیں کہتے کہتے ان باتوں کو تھک گیا کہ اگر تمہاری یہی حالتیں ہیں تو پھر تم میں اور غیروں میں فرق ہی کیا ہی لیکن یہ دل کچھ ایسے ہیں کہ توجہ نہیں کرتے اور ان آنکھوں سی مجھے بینائی کی توقع نہیں لیکن خدا اگر چاہے اور میں تو ایسے لوگوں سی دُنیا اور آخرت میں بیزار ہوں۔ اگر میں صرف اکیلا کسی جنگل میں ہوتا تو میرے لئے ایسے لوگوں کی رفاقت سے بہتر تھا جو خدا تعالیٰ کے احکام کو عظمت سے نہیں دیکھتے اور اُسکے جلال اور عزت سے نہیں کانپتے اگر انسان بغیر حقیقی راستبازی کے صرف مُنہ سی کہے کہ میں مسلمان ہوں یا اگر ایک بھوکا صرف زبان پر روٹی کا نام لاوے تو کیا فائدہ اِن طریقوں سی نہ وہ نجات پائیگا اور نہ وہ سیر ہوگا۔ کیا خدا تعالیٰ دلوں کو نہیں دیکھتا۔ کیا اُس علیم و حکیم کی گہری نگاہ انسان کی طبیعت کے پاتال تک نہیں پہنچتی۔

پس اے نادانو خوب سمجھو لے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمال کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سی گندہ رہکر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہی وُہ خدا تعالیٰ کو نہیں بلکہ وہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور مجھے ان لوگوں سی کیا کام جو سچے دل سی دینی احکام اپنے سر پر نہیں اُٹھالیتے اور رسول کریم کے پاک جُوئے کے نیچے صدق دِل سی اپنی گردنیں نہیں دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سی بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبّر سے کُرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں اور کوئی بڑا نہیں مگر وُہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔

مبارک وُہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزّت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے ہیں اور کبھی شرارت اور تکبّر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کیلئے نجات طیّار کی گئی ہے جو شخص شرارت اور تکبّر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اُس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا۔ میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نُور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے انکی زہر کو دُور کردیں۔ میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کرلیا کہ وہ ہریک شر سے اپنے تئیں بچائینگے اور تکبّر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دُور جا پڑینگے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے جبتک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے جیساکہ قربانیوں کا خُون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا صرف تقویٰ پہنچتی ہے ایسا ہی جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جبتک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اُسکے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ کہ اُسکی طرف جُھکے اور سجود یہ کہ اُس کیلئے اپنے وجود سے دست بردار ہو۔ سو افسوس ہزار افسوس کہ ان باتوں کا کچھ بھی اثر میں ان میں نہیں دیکھتا مگر دُعا کرتا ہوں اور جبتک مجھ میں دم زندگی ہے کئے جاؤنگا اور دُعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کرکے اُنکے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے ان کے دلوں سے اُٹھادے اور باہمی سچّی محبت عطا کر دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دُعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دُعاؤں کو ضائع نہیں کریگا۔ ہاں میں یہ بھی دُعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جسکے لئے یہ مقدّر ہی نہیں کہ سچّی پاکیزگی اور خدا ترسی اُس کو حاصل ہو تو اُسکو اے قادر خدا میری طرف سے بھی منحرف کردے جیساکہ وُہ تیری طرف سے منحرف ہے، اور اُسکی جگہ کوئی اور لا جس کا دِل نرم اور جسکی جان میں تیری طلب ہو۔ اب میری یہ حالت ہے کہ بیعت کرنیوالے سے میں ایسا ڈرتا ہوں جیساکہ کوئی شیر سے۔ اِسی وجہ سے کہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دُنیا کا کیڑا رہکر میرے ساتھ پیوند کرے۔ پس التواء جلسہ کا ایک یہ سبب ہے جو میں نے بیان کیا۔

دوسرے یہ کہ ابھی ہمارے سامان نہایت ناتمام ہیں اور صادق جاں فشاں بہت کم اور بہت سے کام
ہمارے اشاعت کتب کے متعلق قلت مخلصوں کی سبب سے باقی پڑے ہیں پھر ایسی صورت میں جلسہ کا اتنا بڑا اہتمام
جو صدہا آدمی خاص اور عام کئی دن آکر قیام پذیر رہیں اور جلسہ سابقہ کیطرح بعض دُور دراز کے غریب مسافروں کو اپنی
طرف سے زادِ راہ دیا جاوے اور ماسوا اسکے کئی روز صدہا آدمیوں کی مہمانداری کی جاوے اور دوسرے لوازم چارپائی
وغیرہ کا صدہا لوگوں کیلئے بندوبست کیا جائے اور اُنکے فروکش ہونے کیلئے کافی مکانات بنائے جائیں اتنی توفیق
ابھی ہم میں نہیں اور نہ ہمارے مخلص دوستوں میں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان تمام سامانوں کو درست کرنا ہزارہا
روپیہ کا خرچ چاہتا ہے اور اگر قرضہ وغیرہ پر اسکا انتظام بھی کیا جائے تو بڑے سخت گناہ کی بات ہے کہ جو
ضروریات دین پیش آرہی ہیں وہ تو نظرانداز رہیں اور ایسے اخراجات جو کسی کو یاد بھی نہیں رہتے اپنے ذمہ ڈالکر
ایک رقم کثیر قرضہ کی خواہ نخواہ اپنے نفس پر ڈال لیجائے ابھی باوجود نہ ہونے کسی جلسہ کے مہمانداری کا سلسلہ
ایسا ترقی پر ہے کہ ایک برس سے یہ حالت ہو رہی ہے کہ کبھی بیس تیس چالیس چالیس اور کبھی سو تک مہمانوں کی موجودہ
میزان کی ہر روزہ نوبت پہنچ جاتی ہے جنمیں اکثر ایسے غربا فقرا دُور دراز ملکوں کے ہوتے ہیں جو جاتے وقت
اُن کو زادِ راہ دیکر رخصت کرنا پڑتا ہے برابر یہ سلسلہ ہر روز لگا ہوا ہے اور اسکے اہتمام میں مکرمی مولوی حکیم
نورالدین صاحب بدل و جان کوشش کر رہے ہیں اکثر دُور کے مسافروں کو اپنے پاس سے زادِ راہ دیتے ہیں
چنانچہ بعض کو قریب تیس تیس یا چالیس چالیس روپیہ کے دینے کا اتفاق ہوا ہے اور دو دو چار چار تو معمول ہے
اور نہ صرف یہی اخراجات بلکہ مہمانداری کے اخراجات کے متعلق قریب تین چار سو روپیہ کے انہوں نے
اپنی ذاتی جوانمردی اور کریم النفسی سے علاوہ امدادات سابقہ کے ان ایام میں دیئے ہیں اور نیز طبع کتب کے
اکثر اخراجات انہوں نے اپنے ذمہ کر لئے کیونکہ کتابوں کے طبع کا سلسلہ بھی برابر جاری ہے گو
بوجہ ایسے لابدی مصارف کے اپنے مطبع کا اب تک انتظام نہیں ہو سکا لیکن مولوی صاحب
موصوف ان خدمات میں بدل و جان مصروف ہیں اور بعض دوسرے دوست بھی اپنی ہمت
اور استطاعت کے موافق خدمت میں لگے ہوئے ہیں مگر پھر کب تک اس قدر مصارف کا
تحمل نہایت محدود آمدن سے ممکن ہے۔ غرض ان وجوہ کے باعث سے اب کے سال التوائے
جلسہ مناسب دیکھتا ہوں آگے اللہ جلّشانہٗ کا جیسا ارادہ ہو۔ کیونکہ اس کا ارادہ انسان ضعیف
کے ارادہ پر غالب ہے مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہونے والا ہے اور میں نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا منشا

میری اِس تحریر کے موافق ہے یا اسکی تقدیر میں وہ امر ہے جو ابتک مجھے معلوم نہیں۔ و افوض امری الی اللّٰہ و اتوکل علیہ ھو مولٰنا نعم المولٰی و نعم النصیر ❊

خاکسار غلام احمدؐ از قادیان

نوٹ

اِس صفحہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مدح میں رحمت علی صاحب ساکن برناوہ کا ایک مدحیہ قصیدہ بزبان فارسی لکھا ہے۔ شمس

ضروری نوٹ

شہادت القرآن کی کتابت تالیف وتصنیف کے اُس شائع کردہ ایڈیشن سے کرائی گئی ہے جو طبع باراوّل مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ سے کی گئی تھی لیکن پروف دیکھتے وقت شہادت القرآن طبع بارثانی مطبوعہ بشیر ہند امرتسر کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ شمس